تعلیمِ نجات ازروئے قرآن

The Qur'anic Doctrine of Salvation

By
Rev. W.R.W. Gardner

علامہ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو گارڈنر۔ ایم۔ اے

1914
Urdu
Nov.08.06
www.muhammadanism.org

اول
خدا کی رحمت کا مقصد

خدائے خالق کی رحمت کا مقصد آدم کی اُفتادگی کے عین بعد ہی انسان پر منکشف کیا گیا۔ یہ مکاشفہ "ہدایت" کے اُس وعدے میں داخل تھا جوانسان کو پہنچا۔لیکن وہ وعدہ صرف آدم پر محدود نہ تھا۔ اگرہماری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو اُس پر چلنا ۔کیونکہ جوہماری ہدایت کی پیروی کریں گے آخرت میں اُن پر نہ توکسی قسم کاخوف طاری ہوگا اورنہ وہ کسی طرح پرآزردہ خاطر ہوں گے جولوگ نافرمانی کریں گے اورہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخ میں جائیں اورہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے" سورہ بقرہ ۲: ۳۶، ۳۷- ۲۴: ۲۱-

جان اوون[1] (John Owen) صاحب نے خدا کے فضل کے بارے میں بات کرتے ہوئے یہ کہا: یہ وعدہ کہ وہ سب خدا کے سکھائے ہوئے فضل کے اُس سارے راز پر مشتمل ہے جوکا فی واقعہ ہم تک پہنچا ۔ فی الحقیقت اُس کے وارث قابض ہوجائیں"۔

اسی طرح سے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ خدا نے آدم سے (ہدایت) کا وعدہ کیا تھا اُس میں فضل کی تعلیم کی (جوقرآن نے دی) بنیاد تھی آدم کی افتادی کے بعدخدا نے نوع انسان کوترک نہیں کردیا کہ وہ ہلاک ہو بلکہ اُس نے آدم پر بعضوں کے بچانے کے لئے اپنے فضل کے ارادے کوظاہر کیا۔

اُس نے فضل کا یہ ارادہ مقصد اُس ہدایت وراہنمائی میں جواُس نے نوعِ انسان کوعطا کی پورا ہوتا جاتاہے۔ مگرمخفی نہ رہے کہ قرآن میں یہ ہدایت اورجواُس سے مشتق ہیں وہ قرآن کے مختلف مقاموں میں مختلف معنوں میں آئے ہیں۔

بعض مقامات میں ہدایت سے محض یہ مراد ہے کہ خدا رحم کرنا چاہتاہے ۔ یعنی مدد اورتربیت کا عطیہ پیش کرتاہے ۔ اس معنی میں بھی اس سے مدد کا یہ عام وعدہ مراد

[1] اوون صاحب کی تصنیفات جلد دوم صفحہ ۵

نہیں کہ خدا انسان کی ہدایت کرنا چاہتا ہے بلکہ اس میں نوع انسان کی مدد اورتربیت کے لئے اُس کے ایسے ارادے اورآرزو کا اظہار ہے کہ وہ اُن کو بچانا چاہتا ہے۔ اوراُس کے ساتھ اُس نے ایسے نشان اورثبوت دئیے جوآدمیوں کو اس امر کی تحریک دینے کے لئے کافی تھے کہ وہ خدا کی اِس مدد اورتربیت کوقبول کرلیں تاکہ یہ حقیقت "ہدایت" ٹھہرے۔

دوسرے لفظوں میں خدا کی رحمت کا یہ عطیہ محض رسمی طورپر سب کے سامنے پیش نہیں کیا جاتا تاکہ اُن کو کچھ عذرباقی نہ رہے بلکہ اُن کو ایسا موقعہ دیا جاتا ہے تاکہ جس تاریکی میں وہ مبتلا ہیں۔ اُس سے رہا ہوں اورروشنی میں آجائیں۔

چنانچہ سورہ الفضلت ۴۱: ۱۶ میں لکھا ہے" اوررہے ثمود توہم نے اُنکو سیدھا راستہ دکھادیا۔ مگر اُنہوں نے سیدھا راستہ چھوڑکرگمراہی اختیارکی"۔

مگریہ لفظ " ہدایت " اس سے بھی گہرے معنی میں آیا ہے۔بعض اوقات اس سے خدا کے فضل کی اُس تاثیر کی طرف اشارہ ہے جو اس ہدایت کے قبول کرلینے والوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ہدایت پر ایمان لاتے اوراُس پر عمل کرتے ہیں تووہ مہتدی کہلاتے ہیں۔

خدا کی یہ رحمت محض ایک خیالی اورذہنی نہیں بلکہ یہ عملی تجربے انسان کی ضمیر اوردل پریہ ایک تاثیر ہے اورجن کو یہ تجربہ حاصل ہوا نہوں نے یہ محسوس کیاکہ وہ تاثیر من جانب اللہ تھی۔ اُنکو بخوبی معلوم ہے کہ کچھ وہ ہیں وہ خدا کے فضل سے ہیں اورجوکچھ اُن کو حاصل ہوا وہ سب اُس کے فضل اوررحمت سے حاصل ہوا"۔ اپنے اُس رفیق کودیکھے گا کہ دوزخ کے بیچوں بیچ پڑاہے۔ وہ اُس کو اُس حال میں دیکھ کربول اٹھیگا کہ خدا کی قسم توتومجھے تباہی کرنے کو تھا۔ اوراگر میرے پروردگارکا فضل میرے شامل نہ ہوتا توآج میں بھی اُن ہی لوگوں میں ہوتا جوگرفتار عذاب ہے(سورہ الصفت ۳۷: ۵۳ سے ۵۵۔ سورہ اعراف ۷: ۴۱)۔

خدا کی اُس گہری ہدایت کے بالمقابل بعض ایسے جملے آئے ہیں جن میں آدمیوں کو خدا کے گمراہ کرنے کا ذکر ہے۔

اس کا عام بیان اُن مقامیں میں پایا جاتا ہے جن میں خدا نے بے انصافوں بے ایمانوں ، جھوٹوں وغیرہ کی ہدایت نہیں کی حالانکہ ٹھیک ایسے ہی لوگوں کی تلاش خدا کرتا ہے تاکہ اُن کو ہدایت ،اُن کو راہِ راست پر لائے۔ خدا کا فضل اوراُس کی ہدایت انہی بے انصافوں ، جھوٹوں اوربے دینوں کودرکارہے۔ مثلاً فرعون کے سامنے خدا نے ہدایت پیش کی حالانکہ وہ بے دین اورباغی تھا۔ " فرعون کے پاس چلے جاؤ کہ اُس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اوراُس سے جاکر کہو کہ بھلا تجھ کو اُس کا بھی کچھ فکر ہے کہ توکفر کی گندگی سے پاک صاف ہوجائے اورمیں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف کا رستہ دکھاؤں (اھدیك) اوراُس سے ڈرے"سورہ النزاعٰت ۷۹: ۱۷ سے ۱۹)۔

پس جب ہم کو کوئی ایسا جملہ ملے جس میں ذکر ہو کہ خدا بے دینوں کی ہدایت نہیں کرتا توہم اُس کے ٹھیک معنی دریافت کرنے کی کوشش کریں اور ہم کو یہ معلوم ہوجائے گاکہ اس سے ایسے لوگ مُراد ہیں جو گناہ اورشرارت میں مبتلا ہیں۔لیکن وہ اپنی روش سے ظاہر کررہے ہیں کہ اُنہوں نے خدا کی ہدایت کی پیروی نہیں کری۔ صرف اسی معنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ خدا اُن کی ہدایت نہیں کرتا۔ اُن کی بدکاریاں اوراُن کی بے ایمانی خدا کی جانب سے نہیں۔ (مقابلہ کروسورہ ۳۷: ۵۰)۔

اگرہم قرآن کی اس تعلیم کوسمجھنا چاہتے ہیں کہ خدا آدمیوں کو گمراہ کرتا ہے توہم اس نقطہ وخیال کومدِنظر رکھیں۔

خدا کی رحمت آدمیوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے وہ نوعِ انسان پر دہرا اُثر کرتی ہے ۔ بعضوں کی تویہ ہدایت کرتی ہے اوریوں گمراہ کردیتی ہے جب اس رحمت کو کوئی قبول کرلیتا ہے تووہ نورِصداقت اورخوشحالی کوحاصل کرتا ہے۔ جب اُس کوردکردیتا ہے تواُس کا ضمیر واغدار ہوجاتا ہے۔ دل سخت ہوجاتا ، روحانی آنکھ اندھی ہوجاتی ہے اورانسان گمراہ ہوجاتا ہے ۔ یہ تودرست نہیں کہ خدا بعضوں سے ایک

طرح کا سلوک کرتا ہے اور بعضوں سے دوسری طرح کا ۔ بلکہ بعض ہدایت حاصل کرتے اوربعض گمراہ ہوجاتے ہیں۔

بہت سے مقامات میں اِس کا ذکر آیا ہے لیکن اس امر کی توضیح کے لئے ہم صرف چند مقامات کو پیش کرنے پر ہی کفایت کریں گے۔ " جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اُن میں سے بہتیروں کی سرکشی اورنیز اُن کے کفر کے زیادہ ہونے کا باعث ہوگا" (سورہ مائدہ ۵: ۶۹)۔

جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس صورت نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا۔سوجوپہلے سے ایمان رکھتے ہیں اس سورت نے اُن کا ایمان توبڑھادیا اوروہ اپنی جگہ خوشیاں مناتے ہیں اورجن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے تواس سورت نے اُن کی پچھلی خباثت پر ایک خباثت اوربڑھائی اوریہ لوگ گناہی کی حالت میں مرگئے (سورہ التوبہ ۹: ۱۲۵،۱۲۶)۔

"اللہ کسی مثال کے بیان کرنے میں ذرا بھی نہیں جھنپتا چاہے مثال مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی اورحقیر چیز کی۔ سوجولوگ ایمان لاچکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ مثال بالکل ٹھیک ہے اوریہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اُن کے پروردگارہی کی طرف سے ہے۔ اورجومنکر ہوئے کہتے ہیں کہ اس ذلیل مثال کے بیان کرنے میں خدا کی کون سی غرض اس پرپڑی تھی۔ ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کوگمراہ کرتا اورایسی مثال سے بہتریوں کوہدایت دیتاہے۔ لیکن اس سے گمراہ کرتا بھی ہے توبدکاروں کو (سورہ بقرہ ۲: ۲۴)۔

" جولوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کے لئے تویہ قرآن سرتا پاہدایت اورشفا ہے اورجوایمان نہیں رکھتے اُن کے کانوں میں گرانی اوروہ اُن کی آنکھوں میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ قرآن کی طرف سے ایسی ہی پرواہی ظاہر کرتے ہیں کہ گویا بڑی دُور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں (سورہ الفصلت ۴۱: ۴۴)۔

" اس کے ذریعے جسے توچاہے گمراہ کرے گا اورجسے توچاہے راہِ راست دکھائے گا(سورہ اعراف ۷: ۱۵۴- نیزدیکھو سورہ ۱۴: ۳۲- ۶: ۲۵، ۱۲۵)-

ان مقامات سے یہ بخوبی روشن ہے کہ دل کا یہ سخت ہونا۔ چشم باطن کا یہ کورا پن، روحانی کان کا یہ بہرہ پن ایسے لوگوں کی سزا ہے۔ جوایمان لانا نہیں چاہتے۔ یہ اُسی فتویٰ کی تصدیق ہے جووسوسہ شیطانی کی پیروی کرکے الہٰی صداقت کے لئے اپنے دلوں کو کھولنا نہیں چاہتے۔ اوراس سے دوزخ بھرا جائے گا۔ " خدا نے کہاکہ بہشت سے نکل باہر آتوخوار اورراندہ درگارہے۔ بنی آدم میں سے جو تیری پیروی کریگا ہم تجھ سے اوراُن سے یعنی تم سب سے جہنم بھردیں گے"(سورہ نمبر۷: ۱۷- مقابلہ کروآیات ۳۷، ۱۴۳)-

دل کی سختی اورگمراہی بے ایمانی پر اڑے رہنے اورخدا کے " نشانوں" کی طرف سے لاپرواہی اورغفلت مجرمانہ کی سزا بھی ہے اوراُن کا نتیجہ بھی ہے۔ کیونکہ اُن" نشانوں" کی غرض یہ تھی کہ وہ توبہ کرتے اورایمان لاتے(مقابلہ کرو سورہ ۴۳: ۳۵- ۴۵: ۶، ۲۲، ۳۰- ۴۷: ۸، ۲۵)-

رحمت کے اس عطیہ کا اثر آدمیوں کی طرف سے اُس کے قبول کرلینے پر منحصر ہے۔ چنانچہ اس آیت سے بخوبی ظاہر ہے۔ "جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے"اوروہی راہ پر آنے والوں سے خوب واقف ہے"(سورہ القصص ۲۸: ۵۶)-

جب خدا اپنے فضل کو پیش کرتا ہے توآدمی کوچاہیے کہ اُس کو قبول کرے اورجب تک وہ قبول نہیں کیا جاتا کسی شخص کو نہ اُس کی تربیت حاصل ہوسکتی ہے اورنہ صداقت کی طرف ہدایت مل سکتی ہے۔ آدمی پہلے سے یہ بتا نہیں سکتا کہ کون اسے قبول کرے گا۔ لیکن خدا بتاسکتا ہے ۔کیونکہ "وہی راہ پر آنے والوں سے واقف ہے"۔

جولوگ دانستہ اُس سے روگردانی کرتے ہیں وہ معلوم کرلیں گے اُن کی تمنائیں اورجذبات اوررغبات اورصداقت کے بارے میں کہ عین خیالات ایسے متبدل ہوگئے ہیں کہ وہ

صداقت کودیکھ کربھی اُس کو پہچان نہ سکیں گے ۔ خدا کا کسی کو گمراہ کرنا ۔یہی معنی رکھتا ہے کہ " جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے اُن کی سمجھ بھی ٹیڑھی کردی۔اللہ نافرمان لوگوں کوہدایت نہیں دیا کرتا(سورہ الصفت)۔

اس امر کی طرف توجہ دلائے بغیرہم اس فصل کو بند نہیں کرسکتے کہ بعض مقامات میں اس فعل ضل یضل سے جس کا ترجمہ گمراہ کرنا ہے ہمیشہ گمراہی مراد نہیں۔ اس سے راہ سے بے راہ ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیت میں مفسرین سے یہی معنی لئے ہیں "کیا تم چاہتے ہو کہ جسکوخدا نے گمراہ کردیا اُس کوراہ راست پر لے آؤ۔ اورجس کو اللہ گمراہ کرے ممکن نہیں کہ تم میں سے کوئی اسے کے لئے رستہ نکال سکے"(سورہ النساء ۴: ۹۰)۔

اس کے معنی نہ صرف شائد بلکہ غالباً کہ" کیا تو ایسے شخص کی راہ راست پر ہدایت یافتہ سمجھنا چاہتا ہے جس کو خدا گمراہ سمجھتا کیونکہ جس کو خدا گمراہ سمجھتا ہے اُس کو توکسی طرح راہِ راست پر یا ہدایت یافتہ ثابت نہیں کرسکتا" غالباً اس جملے کے " جس کو اللہ چاہے "صحیح معنی یہی ہیں(سورہ روم ۳۰: ۲۸)اہل اسلام دیگر بدعتی فرقوں کے بارے میں یہی فعل اپنی تصنیفات استعمال کرتے رہے ہیں۔

یہاں تک تویہ ذکر ہوا کہ خدا کی رحمت کا مقصد کیا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہورہا ہے کہ اس مقصد میں کون سے لوگ داخل ہیں؟

خدا کے گمراہ کرنے کا ذکر کرتے وقت اس کی طرف کچھ اشارہ ہے ۔ اب اس مسئلہ پر مفصل بحث ہوگی۔

ہم یہ یادرکھیں کہ خدا کی رحمت یاہدایت کی دعوت سب لوگوں ہے۔ جس آیت کا اُوپر ذکر ہوا اُس کے اس جملے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے " جوہماری ہدایت کی پیروی کریں گے اُن پر خوف طاری نہ ہوگا"۔

کل نوعِ انسان کو اس ہدایت پر عمل کرنے کا موقعہ دیاا ورکئی آیات میں اس عالمگیر دعوت کا ذکر آیا ہے ۔ مثلاً سورہ کہف میں آیا ہے۔ "یہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے پس جو چاہے مانے اورجوچاہے نہ مانے" پھرایک

دوسرے مقام میں یہ ہدایت دی گئی ہے " خواہ انسان اس کو قبول کرے یا نہ کرے" یہ امر واقعی تو بدل نہیں سکتا کہ نجات کی دعوت اُس کو دی گئی تھی "ہم نے اُس کو دین کا راستہ بھی دکھایا خواہ وہ شکرگزار ہو خواہ ناشکرگزار (الدھر ۷۶" ۳)۔ شکرگزار ہونا تو ایمان لانا ہے اور ناشکر ہونا بے ایمان رہنا۔ یہ لفظ بھی آئے ہیں" اگر اُس کے کہے پر چلو گئے تو ہدایت پاؤ گے" (سورہ النور ۲۵: ۵۳)۔ خدا کی اطاعت جس میں خدا پر ایمان لانا داخل ہے آدمی کے لئے یہی لازمی شرط ٹھہرائی گئی ہے جس سے یہ ہدایت موثر ہوسکتی ہے۔

سارے انسانوں کو نجات کی دعوت کا سب سے زیادہ عام بیان اس آیت میں قلمبند ہے" یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے مگر اسی کو مفید ہے جو تم میں سے سیدھے راستے چلنا چاہے اور تم چاہ بھی نہیں سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے (سورہ التکویر ۸۱: ۲۷ سے ۲۹)۔ یہ دعوت سب کے لئے ہے کیونکہ یہ نصیحت سارے مخلوقات کے لئے ہے اس کے جو بھی ہوسکتے ہیں کہ نیک نیتی سے خدا کی یہ ہدایت سب کے لئے اس ارادے یا مقصد کے اطلاق کا یہاں ذکر نہیں کرتے۔

تقدیر کی دلیل پر یا نافرمانی کے ماقبل علم کی بنا پر اس الہٰی ارادے سے شرائط کوئی خارج نہیں۔ سب کے لئے یہ امکان ہے کہ اُس کی ہدایت کے فوائد میں شریک ہو اور ان برکتوں سے بہرہ ور ہو جو اُس ہدایت پر چلنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ تو قیاس میں نہیں آسکتا کہ اس فقرے کے آخری جملہ کے " تم چاہ بھی نہیں سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے" ایسے معنی لئے جائیں جو پہلے جملے کے نقیض ہوں۔ اس جملے کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں ایسی تشریح ناقابل تسلیم ہے۔ ایسی تشریح مان لی جائے تو پہلا جملہ اگر بیہودہ نہیں تو بے معنی تو ضرور ٹھہرے گا۔ حالانکہ اس آیت کا خاص مضمون یہی ہے جس دوسرا جملہ کسی قدر محدود کردیتا ہے لیکن اُس کو رد نہیں کرتا۔ خدا کے ارادے میں اُس کی ہدایت سارے انسانوں کے لئے مہیا ہے اور سب اُس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اگر کسی نے اس ہدایت

کورد کیا تواُس کو اس امر پر محمول نہ کریں کہ خدا نہیں چاہتا تھاکہ وہ اُس میں شریک ہو۔

نجات کی اس دعوت کے فوائد سے خدا کسی کو محروم رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر فرد بشر سے وہ صرف یہ طلب کرتا ہے کہ وہ اُس ہدایت کو قبول کرنے پر راضی ہو۔ اورفردبشر کی طرف سے ایسی رضا مندی کرانا قرآن کی خاص تعلیم ہے جس پر واضح طورپرتاکید کی گئی اوریہ خدا کی قدرتِ کاملہ میں یہ امکان تھاکہ انسان کی مرضی کو مجبو کرکے سب آدمیوں کوایک ہی دین پرلے آئے۔ جیساکہ قرآن میں کئی بارذکرآیا یا خدا سارے آدمیوں کو راہ راست پر لے آئے۔ دوسرے احاطہ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خداآدمی کی مرضی وارادے کو ایسا مجبورکرتاکہ کوئی شخص اُس کی ہدایت اورراہنمائی کا انکارکرہی نہ سکتا۔

اوقات وموسمیات کے بارے میں وسیلوں اور طریقوں کے بارے میں کوئی آدمی مجال نہیں رکھتا کہ خدا کی ہدایت کو قبول کرے لیکن جیساکہ خدا چاہے۔ واقعات کا ٹھہرانا خدا نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھاہے تاکہ یہ جذبات اورمحرکات جن کے ذریعے انسان خدا کی ہدایت کو قبول کرلیتاہے۔ آدمیوں کے ساتھ خدا کے پروردگاری معاملات میں ایسے طورسے پیدا ہوتے اورعمل کرتے ہیں کہ ہدایت کے قبول کرنے کی انسانی رضا مندی الہٰی مرضی پر ہی حصر رکھنی اوراُسی سے صادرہوتی ہے ۔ آدمی کی فی الواقعہ رضا مندی خدا کی مرضی ہی موقوف ہے۔ اوراس لئے انسان اپنی نجات کے اُس حصہ میں کسی ثواب کا مستحق نہیں جس کے ذریعہ سے کہ وہ رحمت کی الہٰی دعوت کو قبول کرلیتاہے۔

یہ خاص طورپر قابل غور ہے کہ یہ حملہ (سورہ التکویر ۸۱: ۲۷سے ۲۹ "مگر یہ کہ اللہ چاہے" وہی معنی نہیں رکھتا جیساکہ یہ جملہ"اگراللہ چاہے بلکہ جیسا کہ خدا چاہے" یہ امکان کی شرط نہیں بلکہ وسیلے اورطریقے کی شرط ہے۔

یہ شرط " مگریہ کہ اللہ چاہے " خدا کی طرف سے نجات کی دعوت کے قبول کرنے کی طاقت کو انسانوں میں محدود نہیں کردیتی مگرانسان کے اس چاہنے کے وقت طرزوطریق کو

ماالمختصر جومعانی اس کی تہ میں پائے جاتے ہیں وہ اُس کے ظاہری سرسری معنی سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں آدمیوں کے لئے شک یا نااُمیدی کی جگہ نہیں بلکہ جو صفت افزائی کی جگہ ہے اگرکوئی شخص دعوتِ نجات کو قبول کرنے کے لئے اپنے اندررغبت محسوس کرے تووہ یہ یقین جانے کہ ایسی رغبت خدا کی مرضی کے مطابق ہے اوراگروہ اُسے قبول کرے توخاطر جمع رکھے کہ الہٰی ارادہ اس کی ہدایت اورراہنمائی کررہا ہے۔ اس جملے اوراس قسم کے دیگر جملوں کی تفسیر کرنے میں اُسی قسم کی غلطی کی جاتی ہے جوکالون کے نبیردؤں نے برگزیدگی کے مسئلہ میں صدیوں تک کی۔ عہد جدید اورقرآن میں برگزیدگی کا جو مسئلہ پایا جاتا ہے وہ ایسے لوگوں کی تسلی اورحوصلہ افزائی کے لئے ہے جوصداقت کی طرف اپنے اندررعبت محسوس کرتے ہیں۔ وہ مطمئن رہیں کہ خدا کی ہدایت پر چلنے کی جوخواہش اُن کے من میں پائی جاتی ہے وہ بذات خوداس امر کا ثبوت ہے کہ وہ خدا کے بلائے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں مسیحی علما کی تعلیم کوقرآن کی تعلیم میں داخل نہیں کررہے ۔ بلکہ اس امر کوظاہر کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ قرآن کی آیات کی ٹھیک تعلیم کیا ہے؟

قرآن میں کسی جگہ یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ آدمیوں کو پہلے اس کا یقین کرلینا چاہیے کہ خدا نے فرداً فرداً اُن کو برگزیدہ کیا ہے۔ دیگر الفاظ میں کرنے اُس کو یا اُن کو الگ الگ نجات دینے کا ارادہ کیا ہے۔ پیشتراس سے کہ وہ اپنے ارادے سے اُس کی ہدایت کو قبول کریں بلکہ اس سے بالکل برعکس معاملہ ہے آدمی خاطر جمع رکھیں کہ خدا اُن کی نجات چاہتا ہے ۔ جب کہ اُن کے دلوں میں اُس کی طرف رغبت محسوس ہورہی ہے اوراپنی مرضی سے دانستہ اُس کی ہدایت کی اطاعت کریں۔

خدا کی رحمت سے کوئی مایوس نہ ہو اورکوئی یہ خیال نہ کرلے کہ خدا کی رحمت اُس کے لئے نہیں ۔ گوفرعون بڑا متکبر اورگنہگار مخالف تھا۔ اُس کے سامنے بھی خدا نے اپنی ہدایت کو پیش کیا(سورہ النزعلت ۷۹: ۱۷سے ۱۹۔ مقابلہ کرو (سورہ یوسف ۱۲: ۳۷)۔

اس سوال کے متعلق قرآن کی تعلیم میں ایک اوربات پر ہم غورکریں جسے وہ چاہتا ہے اُسے یہ رحمت بخشتا ہے۔"اہل کتاب مشرکین میں سے جولوگ منکر ہیں اس بات سے خوش نہیں " تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر بھلائی ناز کی جائےاورجس کوچاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کرلیتا ہے اوراللہ بڑا فضل کرنے والا ہے"(سورہ بقر۲: ۹۹)جس " رحمت" کا یہاں وہ خاص کرہدایت کی رحمت نہیں بلکہ خدا کی عام نعمتوں سے مراد ہے۔ توبھی جس صداقت کی تعلیم اس آیت میں ہے وہ قرآن کی اس ساری تعلیم کی تہ میں پائی جاتی ہے کہ خدااپنی رحمت (نجات کے لئے ہدایت) جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

جن اغراض سے انسان اپنے رحم کو استعمال میں لاتا ہے یا اُسے روک لیتا ہے خدا اغراض سے متاثر نہیں ہوتا۔ جیسا وہ چاہتا ہے جیسا کہ انسان چاہتایامناسب سمجھتا ہے کہ خدا اپنا فضل ورحمت عطا کریگا بہت سی آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تعلیم کی تہ میں جو مستتر ہے "کہ خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اورجسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے" وہ یہ کہ جن شرائط پر خدا کی ہدایت وراہنمائی حاصل ہوتی اورعملاً کسی کے لئے مفید ٹھہرتی وہ خدا کی رضا مندی پر مبنی ہیں۔ جن شرائط وحالات کوخود خدا نے پسند ومقررکیا ہے اُن کے بغیر کوئی فردبشر خدا کی ہدایت کوحاصل نہیں کرسکتا۔

وہ شرط یہ ہے کہ انسان خدا پر ایمان لائے اوراُس پر توکل کرے تب وہ خدا کی ہدایت کوحاصل کرسکتا ہے۔ اس شرط کوپورا کئے بغیر خدا اپنی ہدایت دینے سے انکارکرتا ہے۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُسے روک رکھتا ہے۔ اوراسی وجہ سے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں۔ جو لوگ ان شرائط پر عمل کرتے ہیں وہ خدا کی ہدایت حاصل کرتے ہیں اورجو اُس کی شرائط کو پورا نہیں کرتے بلکہ بے ایمانی یاتکبر سے اُس کے فضل کی جانب سے منہ پھیرلیتے ہیں تواُس کی قدرت کاملہ سے مزید گمراہی کی طرف جانے کا وسیلہ ہوجاتے ہیں۔" ایسی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا ہے یاایسی ہی مثال سے

بہتریوں کو ہدایت دیتا ہے۔ لیکن گمراہ کرتا بھی ہے تو گنہگاروں ہی کو جو پکا کئے بغیر پیچھے خدا کے عہد کو توڑدیتے ہیں (سورہ بقر ۲: ۲۴ سے ۵۱)۔ اس آیت میں بھی یہی خیال پایا جاتا ہے "جو لوگ ملک میں اکڑتے پھرتے ہیں ہم اُن کو اپنے احکام سے پرگشتہ کئے رہیں گے (سورہ اعراف ۷: ۱۴۳، سورہ ۲: ۳۶- ۷: ۳۷- ۱۰: ۱۰۰، ۱۰۱، ۳۹: ۱۴: ۳۲- ۵۸، ۶۰)۔

اس فصل کو بند کرنے سے پیشتر آیات کے ایک دوسرے سلسلے میں بھی غورکرنا لازم ہے۔ بعض آیات میں یہ تعلیم معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی بے ایمانی یاشرارت خدا کے حکم کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ سورہ نحل ۱۶: ۳۸، ۳۹ کا یہ ترجمہ ہے۔"ہم ہرایک اُمت میں رسول اس بات کے سمجھانے کےلئے بھیجتے رہے کہ خدا کی عبادت کرواورطاغوت سے بچتے رہو۔ توان میں سے بعض کو تو خدا نے ہدایت دی۔ اوراُن میں سے بعض پر گمراہی سوار ہوئی" اس عربی کے آخری جملہ کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے۔" جن کے لئے ٹھیک طور سے گمراہی مقرر ہوئی۔ یہ تقرری خدا کے ازلی حکم سے نہیں تھی بلکہ اُن کی روش کا مصنفانہ نتیجہ تھا کیونکہ اُنہوں نے بے ایمانی کویابدی کو جان بوجھ کر اختیارکیا تھا۔

ایک دوسرے مقام کا یہ ترجمہ ہے" بات یہ ہے کہ منکروں کو اپنی چالاکیاں بھی معلوم ہوتی ہیں اوریوں راہ راست سے رُکے ہوئے ہیں اورجس کو خدا گمراہ کرے توکوئی اُس کا راہ دکھانے والا نہیں" (رعد ۱۳: ۳۳) یہاں بعض مفسروں کی یہ رائے ہے کہ شیطان نے اسے بھلا کرکے دکھایا اوراگریہ بھی مان لیں کہ یہاں فاعل خدا ہے توبھی اُن الفاظ کے یہی معنی ہوں گے جواس آیت کے ہیں" جوکچھ روئے زمین پر ہے ہم نے اُسکو زمین کی رونق کا موجب بنایا ہے تاکہ لوگوں کوآزمائیں کہ ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے" (سورہ کہف ۱۸: ۶)۔

آیت ۱۳، ۲۳ کاتعلق الہٰی حکم وفتویٰ سے نہیں بلکہ خدا کی پروردگاری سے ہے اوراُس کے وہی معنی لینے چاہیئں جوخدا کے ہدایت کرنے اورگمراہ کرنے کے بیان کئے گئے ہیں۔

ایک دوسرے مقام میں اسی قسم کا جملہ آیا ہے جوسورہ یونس ۱۰: ۱۳ سے ہے مشرقین کے اعمال اُن کے لئے پہلے سے مقرر کئے گئے "(ترجمہ سیل صاحب)لیکن عربی جملہ کذالك زین للمسرفین ما کانو یعمکون) کے لازماً یہ معنی نہیں کہ اُس میں خدا کے کسی فتویٰ کی طرف اشارہ ہے اوربعض مفسریہاں بھی شیطان سے یہ فعل منسوب کرتے ہیں۔ بہر حال اس جملے کے یہ معنی ہیں کہ خواہ خدا فاعل ہو(لیکن مقدر حکم کے نتیجے کے طورپر نہیں) یاشیطان خطاکاروں کے بداعمال اُن کو بھلے کردکھائے۔اسی قسم کے جملے(سورہ ۱۰: ۳۷۔ ۲۷: ۴)۔وغیرہ میں پائے جاتے ہیں ۔ ان موخرالذکر مقامات میں لاکلام فاعل خدا ہے۔

ایک دوسرا مقام ہے جس سے بادی النظر میں عام ترجمے یا تفسیر کے معنی صاف طور سے اس کے ممد ہیں بعضوں کی بے ایمانی خدا نے مقررکردی۔ وہ مقام یہ ہے" جو لوگ تمہارے پروردگار کے حکم کے مستوجب ٹھہر چکے ہیں وہ تو جب تک عذاب دردناک کونہ دیکھ لیں گے کسی طرح ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ تمام معجزے اُن کے سامنے آموجود ہوں"(سورہ یونس ۱۰: ۹۶، ۹۷) لیکن اس کی تشریح اُسی سورہ کی ۲۴ آیت میں پائی جاتی ہے" اُسی طرح تمہارے پروردگارکا فرمودہ نافرمان لوگوں پر صادق آکر رہا کہ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے " مقابلہ کرو(سورہ ۳۹: ۷۱، ۴۰: ۶)ان مقامات میں سے کسی میں ایسا لفظ نہیں آیا جس کے معنی حکم یا فتویٰ ہوں۔ بلکہ جو عربی لفظ مستعمل ہوا وہ حقت ہے اورجوخیال اُس میں چھپا ہے وہ یہ نہیں کہ خدا نے بعضوں کی بے ایمانی کا حکم ٹھہرایا بلکہ یہ کہ خدا نے فرمایا اوراُس کا کلام ان مذکورہ شدہ مثالوں میں سچ ثابت ہواکہ جو ایمان لانا نہیں چاہتے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کی ہدایت اوراُس کے سارے معجزات اُن کو زیادہ سے زیادہ سخت اورگمراہ کرتے جائیں گے۔

اب ہم یہ سوال پوچھتے ہیں کہ ازروئے قرآن خدا کی رحمت کے اس ارادے کا مقصد کیا تھا؟ جب خدا اپنی ہدایت

اور راہنمائی کسی شخص کے سامنے پیش کرتا ہے تو اُس آدمی کے لئے خدا کا ارادہ کیا ہے؟

رحمت کے الہٰی ارادے کا مقصد عموماً مفصلہ ذیل آیات میں بیان ہوا ہے۔گمراہی سے ہدایت ظاہر ہوچکی ہے توجوجھوٹے معبودوں نہ مانے اوراللہ پر ایمان لائے تواُس نے مضبوط رسی پکڑی رکھی ہے جوٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سنتا اورجانتا ہے ۔ اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے کہ اُن تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔"(سورہ بقرہ ۲: ۲۵۶، ۲۵۷)۔

"وہی ہے جو اپنے بندوں پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے اور بے شک اللہ تم پر بڑی شفقت رکھتا ہے مہربان ہے" سورہ حدید ۵۷: ۹۔ بمقابلہ سورہ ۶۵: ۱۱- ۱۴: ۱، ۵، ۵: ۱۸- ۳۳: ۴۲)۔

خدائے خالق نے انسان کو جہالت کی تاریکی میں دیکھ کر کہ اُن کو خدا کی پہچان تھی اورنہ وہ جانتے تھے کہ اُس پرستش کیسے کریں۔ اُن کو صداقت کے نورمیں لانا چاہا۔ اس مقصد کی تحصیل کے لئے اُس نے یہ ارادہ کیاکہ اپنے اوراُس طریقے کے بارے میں اُن کو تعلیم دے جس سے کہ وہ خوش ہوسکے۔ اس ہدایت اورتعلیم کے ذریعے انسان کواُس نے سکھایاکہ خدا کے بارے میں کن باتوں پر ایمان لائے اورکہ خدا کا حق اُس پر کیا تھا۔

ہم اس امر کا یہاں ذکرکرنا نہیں چاہتے کہ قرآن نے خدا کے بارے میں کیا تعلیم دی۔ یہ یادرکھیں کہ اس کی ایک خاص تعلیم یہ ہے کہ خدا غفوررحیم ہے۔ اس میں محض یہی خیال نہیں کہ خدا کی ایک صفت رحمت ہے اورکہ وہ معاف کرنے کے لئے ہمیشہ تیارہے۔ بلکہ اس سے یہ مُراد ہے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ انسان معافی کے طلب گار ہوں اور خدا کی رحمت کے ارادے کا ایک مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی تلقین کرے اوراُس کے دل پر نقش کرے کہ خدا معاف کرنا چاہتا ہے کہ خدا انسان کی طرف سے لاپرواہ نہیں بلکہ وہ ہمیشہ منتظر ہے کہ یہ مُسرف بیٹا اُس کی طرف پھر رجوع

کرے توبھی ساتھ ہی حضرت محمد صاحب نے اس صداقت کوکبھی نظر انداز نہیں کیا جس کی اشاعت یوحنا بپتسمہ دینے والا نے اپنے واعظوں میں کی تھی۔ کہ خدا خدائے عادل ہے اورکہ آدمی کو چاہئیے کہ توبہ کرے اورآنے والے غضب سے بھاگے۔

بعض اوقات قرآن میں خدا کی ہدایت اورراہنمائی کا ذکر اس طرح سے ہوا ہے کہ وہ ہدایت وراہنمائی سلامتی تک پہنچاتی ہے۔ اس دنیا میں لوگ برابر تکلیف میں مبتلا رہتا ہے اوردنیاوی خوشیوں اورنعمتوں سے جو لذت حاصل ہوتی وہ باطل اورعارضی ہوتی ہے اور انسان کو حقیقی اور دائمی اطمینان نہیں دے سکتی خدا تویہ چاہتا ہے کہ انسان کی ساری جسمانی اورروحانی خواہشوں کوکامل طور سے پورا کرے۔ یہ کامل تشفی سلامتی کے مسکن ہی میں عاقبت کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اس لئے خدا کی رحمت کے مقصد کو بعض اوقات سلامتی کے مکانوں میں لے یا اُن کی طرف ہدایت کرنا بیان ہوا" جو لوگ غوروفکر کرتے ہیں اُن کے لئے توہم آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں۔ اُن کے پروردگار کے ہاں اُن کے لئے امن کا گھر تیار ہے۔ اورجوعمل کرتے رہے اُس کے صلے میں وہی اُن کا خبر گیر ہوگا" (سورہ انعام ۶: ۱۲۶، ۱۲۷)جولوگ سوچتے سمجھتے ہیں اُن کی ہدایت کے لئے ہم دلیلیں اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں اوراللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اورجس کوچاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کردیتا ہے "(سورہ یونس ۱۰: ۲۶)۔

ایمان داراس مبارک گھر میں داخل ہوتے وقت خدا کی طرف سے جولفظ خیر مقدم کا سنیں گے وہ لفظ سلام ہوگا" اُن کیلئے پروردگار مہربان اپنی طرف سے سلام کہلا بھیجے گا اورا ے گنہگاروآج الگ رہو" (سورہ یسٰین ۳۶: ۵۸، ۵۹)۔

اس سلامتی واطمینان کا تجربہ اس روئے زمین پر ہی شروع ہوجاتا ہے۔ جب کہ ایمانداراس زندگی کی نعمتوں کا خطہ اٹھانے لگتا اوراس دنیاکی آزمائیشوں اورتکلیفوں اوردکھوں اورمصیبتوں سے رہائی حاصل کرنے لگتا ہے ۔ چونکہ شریر لوگ بعض اوقات اس زندگی کی نعمتوں سے بہرور

ہوتے ہیں اس لئے خود ان نعمتوں کے ذریعے سے ایماندار کو اس سلامتی واطمینان کا تجربہ نہیں ہوتا بلکہ اس حظہ اٹھانے میں خدا کی مہربانی کے علم سے خاص کر اُس کی معاف کرنے والی رحمت کے علم سے ۔ یوں اکثر اوقات خدا کے ارادے ومقصد سے یہ مُراد لی جاتی ہے کہ وہ آدمیوں کو مغفرت عطا کرتا ہے " وہ تم کو اسی لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کرے اورایک وقت مقررتک تم کو رہنے دے" سورہ ابراہیم ۱۴: ۱۱) اے ایماندارو اگرتم خدا سے ڈرتے رہو گے وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردے گا اورتمہارے گناہ تم سے دورکردے گا اورآخرتم کو بخشے گا اوراللہ بڑا فضل والا ہے (سورہ ۸: ۲۹۔ نیز دیکھو ۵: ۷۰، ۵۸: ۹۔ ۷۱: ۸)چونکہ خدا کا یہ ارادہ ہے کہ انسان کے گناہ بخشے۔اس لئے اُن کے دلوں میں اس سلامتی کا تجربہ حاصل ہوتا ہے ۔ خدا پر دھیان کرنے کے ذریعہ تجربہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس دھیان سے مُراد خدا کی صفات وسیرت پر دھیان کرنا ہے جیساکہ اُس نے اپنے تئیں منکشف کیا اوراس طریقے پر دھیان کرنا جس میں کہ اُ س نے اپنی رحمت کے ارادے کو نوع انسان پر ظاہر وروشن کیا۔۔۔۔۔ جولوگ ایمان لائے اوراُن کے دلوں کوخدا کی یاد سے تسلی ہوتی ہے۔۔۔خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا ہی کرتی ہے" (سورہ رعد ۱۳: ۲۸)۔

نہ صرف اتنا ہی بلکہ خدا اپنی حضوری کوبالخصوص ایماندار وں پر منکشف کرتا ہے تاکہ اُن کو حوصلہ افزائی اورتقویت حاصل ہو" جس نے مومنین کے دلوں میں تحمل کی روح (السکینتہ خدا کی حضوری کاظہور) نازل کی تاکہ اُن کے ایمان کے ساتھ اورایمان زیادہ ہو"(سورہ الفتح ۴۸: ۴) خدا کی ہدایت اوراہنمائی کے وسیلے سے جونعمتیں عطا ہوتی ہیں اُن کا کمال یہ ہے کہ ایماندار بہشت میں داخل ہوتا ہے کیونکہ یہ اُن کے ایمان اوراطاعت کا صلہ ہے ۔ ہم یہاں صرف ایک مقام کا حوالہ دیں گے ۔ جس میں اس خاص امر کا ذکر ہے اوریہ امر ایسا واضح اور معلوم ہے کہ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں جو مصری ایمان لائے تھے اُنہوں نے اپنے ہم وطنوں کویہ تاکید کی کہ وہ توبہ کرکے حقیقی ایمان کی طرف

رجوع کریں" جوبُرے کام کرتا ہے تواُس کو ویسا ہی بدلہ ملے گا اورجونیک کام کرتا ہے مرد ہو یا عورت مگرہو ایماندارتو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے (سورہ المومن ۴۰: ۴۳)۔

قرآن میں بہشت " بڑی خوشی " یا" بڑی نجات " کہلانا اورعربی میں ان دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے" جو ایمان لائے اورڈرتے رہے اُن کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اورآخرت میں بھی خدا کی باتں میں فرق نہیں آتا۔یہ بڑی کامیابی ہے"(سورہ یونس ۱۰: ۶۴، نیزدیکھو ۹: ۷۳۔ ۶: ۶۔۴۰ : ۸، ۹۔ ۴: ۱۷۔ ۹: ۹۰، ۱۰۱، ۱۲۱۔۳۷: ۴۰ سے ۵۸۔ ۴۴: ۵۱ سے ۵۷۔ ۴۵: ۲۹۔ ۵۷: ۱۲۔ ۶۰: ۱۲۔ ۶۴: ۹)۔

قرآن کی بعض آیات میں اُن خوشیوں اورعشرتوں کا ذکر ہوا ہے جو ایمانداروں کوبہشت میں حاصل ہونگی اور انکا ذکر ایسی جسمانی تشبہیوں سے ہوا ہے کہ اُن کو نقل کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔

ہمارا منشا نہیں کہ قرآن کی ایسی بحث طلب آیات کی تفصیل بیان کریں بلکہ یہ کہ دوزخ کے عذاب سے بچنے اورفردوس میں داخل ہونے کا ذکر قرآن میں ایک بڑی خوشی اوربڑی نجات کے طورپر ہوا ہے جسے خدا نے ایمان لانے والوں کے لئے مہیا کیا ہے۔

وہ سب جوایمان لائے اورنیک اعمال کرتے رہے وہ نہ صرف فردوس میں داخل ہونے کی اُمید رکھیں بلکہ اسکا پورا یقین رکھیں کہ خدا اُنکی ساری خواہشوں کوپورا کرے گا جوسچی بات لے کرآیا اوراُس کو سچ جانا یہی لوگ توپرہیزگار ہیں جوچاہیں گے اُن کے پروردگار کے ہاں اُن کے لئے موجود ہوگا۔نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے تاکہ خدا اُن کے اعمال بد کا بوجھ اُن پر سے اتاردے اوراُن کو اُن کے نیک کاموں کے عوض میں اُن کا اجر عطا فرمائے " سورہ الزمر ۳۹: ۳۴ سے ۳۶) یہی خیال اس مقام سے پایا جاتا ہے "آخرت میں اپنے اپنے عمل کے مطابق سب کے اچھے یابُرے درجے ہوں گے اوریہ اس لئے کہ خدا اُن لوگوں کو اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو"(سورہ احقاف ۴۶: ۱۸۔ مقابلہ سورہ ۴۲: ۲۱)۔

فردوس کی خوشیاں اورنعمتیں گوبطور اجر کے ہوں لیکن وہ خدا کی طرف سے انعام ہیں۔ چنانچہ یہ لکھا ہے " دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے مددگارتھے اورآخرت میں بھی اورجس چیز کو تمہارا جی چاہے گا تمہارے لئے بہشت میں موجود ہوگی اورجوچیزتم طلب کروگے وہاں حاضر۔ یہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے دریافت ہے"(سورہ الفصلت ۴۱: ۳۱، ۳۲)۔

فردوس کا اجر" اُن کے خداوند کے ساتھ(یا اُس کی حضوری میں) ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان الفاظ سے حضرت محمد صاحب کی مُراد کیا تھی۔ ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ فردوس کی ساری خوشیاں اورعشرتیں خدا سے صادرہوتی ہیں۔کیونکہ وہی اُن کا چشمہ اوربخشنے والا ہے یاشائد اُن سے یہ مُراد ہو کہ خدا کی حضوری کے سوا اوراُس کی مہربانی کے عرفان کے سوا اورکوئی خوشی نہیں ہوسکتی۔

اہل بہشت کی حالت کا یہ ذکر قرآن میں آیا ہے۔" ایمان والے مردوں اورایمان والی عورتوں سے اللہ نے باغوں کا وعدہ کرلیا ہے۔ جن کے تلے نہریں بہ رہی ہوں گی اوروہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔اورنیز اللہ نے اُن سے دائمی بہشت میں عمدہ عمدہ مکانوں کا وعدہ کرلیا ہے۔ اورخدا کی خوشنودی (ان سب سے) بڑھ کر یہی بڑی کامیابی ہے"(سورہ توبہ ۹: ۷۳)۔

پس سب سے بڑی نعمت وبرکت خدا کی مہربانی کا عرفان اورخودخد کا دیدارہوگا۔ اس امر کے بارے میں ہم تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتے ورنہ ہم اس مضمون کے احاطے سے بہت دورنکل جائیں گے خدا توغیر مرئی ہے پھر اُس کا دیدارکیسے حاصل ہوگا؟اس سوال کو ہم علمائے دین کے لئے چھوڑدیتے ہیں۔

توبھی چونکہ خدا کا دیداراُس کی مہربانی کا خظہ آسمان کی اعلیٰ برکتیں ہیں۔ قرآن نے ادنیٰ برکتوں کا بھی ذکرکیا ہے۔ یہ نعمتیں سبھوں کویکساں حاصل نہ ہوگی۔کیونکہ " خدا خوب

جانتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو" (سورہ نسا ۴: ۹۷، ۹۸) جوکچھ ہم اُوپر بیان کرآئے ہیں اُس کے لحاظ سے اس تعلیم پر غورکرتے ہوئے ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن کی تعلیم فی الحقیت یہ ہے کہ آدمی کی خواہشات اوراغراض جیسی اعلیٰ وادنیٰ ہوں گی اُن کے متناسب اس کو اعلیٰ وادنیٰ برکت ملے گی۔

فردوس میں مومن کی خوشیوں اورحالت کی تفسیر امام غزالی نے یہی کی ہے کیونکہ جن لوگوں نے فی الحقیقت اپنی ادنیٰ اورنفسانی خواہشوں پر غلبہ حاصل نہیں کیا توبھی خدا کی اطاعت کرنے کی کوشش کی اوراُس کے احکام کوپوراکرنا چاہا تو ایسے لوگوں کو اُن کی نفسانی خواہشات اوردنیاوی جذبات کے مطابق خوشیاں اورعشرتیں عطا ہوں گی۔

مسئلہ گناہ کا ذکر کرتے وقت ہم نے یہ بیان کیا تھاکہ ازروئے قرآن گناہ کے ذریعہ انسان کسی ایسی حالت میں گرنہیں پڑتا جس سے مخلصی حاصل کرنے کی اُسے ضرورت ہو۔ اس لئے یہ جائے تعجب نہیں کہ مسئلہ نجات کی تحقیقات کےوقت قرآن میں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جومسیحی مسئلہ مخلصی کے مشابہ ہو۔ یہ توسچ ہے کہ گناہ کا کفارہ چاہیئے اورباربار یہ ذکر آیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اورعمل نیک کرتے ہیں خدا اُن کے گناہوں کا کفارہ کرتا ہے توبھی اس میں وہ خیال پایا نہیں جاتا جومسئلہ مخلصی یانجات کہلاسکے۔

بیداری، تربیت، تعلیم، ہدایت وغیرہ تومہیاکردی گئیں اوراُن کو اُن کی دعوت دی گئی۔ اورجب یہ برکتیں خدا کی طرف سے انسان کو ملتی اومرحمت ہوتی ہیں توان میں خداکا فضل ظاہر ہوتا ہے۔ بغیر اس کے فضل کے ایک معنی میں کوئی شخص اُس نجات کو حاصل نہیں کرسکتا جس کی طرف اُس کو دعوت دی گئی ۔ اُس لئے یہ نجات خدا کا عطیہ ہے۔لیکن یہ فضل صرف مددگارفضل ہے۔ اس کے وسیلے اور اُس کی وساطت سے انسان فردوس کی نعمتوں کی تحصیل کا حق حاصل کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ اس کے بغیر انسان کو خدا کا علم حاصل نہیں ہوسکتا اورنہ اُسے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ

کیسے خدا کو خوش کرے۔ اوراگر انسان کوخدا کی خوشنودی کا طریقه معلوم بھی ہوجائے تووہ اُس پر چلنے کے لئے کُلی ناقابل ہوگا اوراس تربیت اورمدد کے ذریعے اس طریقے پرچلنے کے قابل ہوکرآدمی کویه حق حاصل ہوجاتاہے که وہ فردوس میں داخل ہو۔کیونکه اُس نے اُن لازمی شرائط کوپورا کرنا ہے جو خدا نے ضرور ٹھہرائی تھیں۔ وہ اُس وجه سے بہت میں نہیں ہوتا که خداک فضل کے ذریعے وہ کلتہً پاک وصاف تھاکیونکه بہشت میں داخل ہونا سراسراس امرکا اجرہے که وہ خدا پر ایمان لایا اورالہٰی احکام کی اطاعت کرتاہے خواہ وہ اطاعت کیسی ہی ناقص ہو۔ ایمان دارمیں کسی اخلاقی یاروحانی تبدیلی یاترقی پراس کاکچھ حصرنہیں ۔

بہشت کی نعمت سراسر خدا کا عطیه ہے ۔ ایمان دار کے ایمان کا اطاعت کا یه صله ہے ۔ اوراپنے کاموں کا جوثواب اُسے مل سکتا تھا اُس سے کہیں اعلیٰ وبالا تر ہے۔ یه خدا کی رحمت اورفضل سے ہے ۔

جہاں تک قرآن سے معلوم ہوسکتاہے بہشت ایسی خاص جگه نہیں جس میں که انسان خدا کے فضل سے مدد پاکربتدریج ترقی کرتا پہنچ جاتاہے بلکه یه ایسی جگه ہےجہاں اُسے خدا کے فضل سے مدد پاکراُس کے اعمال حسنه کا چند درچند اُجرملتاہے۔

الغرض نجات کا یه تصورسراسر شرعی ہے۔ اطمینان کا یه مسکن کسی معنی میں انسان کے باطن میں نہیں بلکه اُس سے خارج میں ہے۔ خدا کی بادشاہی بطوراجر کے اُس کو حاصل ہوتی ہے ۔ وہ ایسی روح نہیں جواُسے معمورکرتی ہو۔ نجات کچھ بن جانانہیں بلکه کچھ لے لینا ہے۔

د وم

نجات کی تحصیل

انسان کو نجات کی تحصیل درکار ہے۔یا محنت کرکے وہ اُسے حاصل کرسکتا ہے۔لیکن خدا اُس کے ارادے اورنوع انسان کے ساتھ اُس کے تعلقات کے بغیر یہ نہیں ہوسکتا۔اس لئے یہ مضمون دوحصوں پر منقسم ہوجاتا ہے۔اس میں ہم پہلے اس امر پرغورکریں گے قرآن میں نجات کا کیا طریقہ بتایا گیا ہے ۔ اول توانسان کی جانب سے بعدازاں خدا کی جانب سے ازروئے قرآن مسئلہ نجات اس طرح سے معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن کی تعلیم کے ان دونوں پہلوؤں کو تطبیق ہیں۔ جسے ہم دینے اور لینے کا انتظام کہہ سکتے ہیں اور ایک کی تکمیل دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

پیشر اس سے کہ انسان اپنی نجات کے لئے کام کرنا شروع کرے اُس کی نجات کے لئے خدا کا ارادہ موجودہ تھا۔ لیکن یہ نجات بذاتِ خود الہٰی ارادے اورانسانی کوشش کے اجتماع وتعاون کا نتیجہ ہے جہاں تک انسان اس حقیقت کو پہچان لیتا ہے وہاں تک وہ اپنی نجات کے کام کرتا ہے۔ خدا اُس میں اوراُس کے وسیلے تاثیر کرتا رہتا ہے۔

آگے قدم اٹھانے سے پیشتر ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا ارادہ کسی طرح سے یہ جتاتا نہیں کہ جس ترتیب سےاس نجات میں منزلیں آتی ہیں وہ عملی تجربہ ہے یا بالضرور وہ ترتیب ہے جس میں تاریخاً وہ منزلیں پائی جاتی ہیں اوروہ بھی ایسے انسان کے تجربے میں جونجات کوحاصل کرنے کی اُمید رکھتا ہے۔ سب سے اول لازمی شدہ جس پر ہم غورکریں گے ایمان ہے۔ جوخدا کے پاس آتا ہے اُسے یہ ایمان لانا چاہیے کہ وہ ہے۔ اورجو اُس کے طالب ہیں اُنہیں بدلہ ہے جوشخص نیک اخلاقی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اُس سے قرآن کچھ نہیں کہتا اورخدا پر اورجوکچھ اس میں داخل ہے اُس پر ایمان لانے کے مسئلہ کوخدا کی رحمت وعدالت پر چھوڑدیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ موجود ہو۔

ایسی آیات پیش کرنا ضروری نہیں جن میں خدا کی ہستی کا ذکر ہے۔ ایسی آیات ایسی صریح اورایسی کثرت سے

ہیں کہ یہ امر ہم مسلمہ تسلیم کرلیں خدا ہے اوراُس کے سوا اورکوئی دوسرا خدا نہیں۔یہ خدا کی اصولی تعلیم ہے،اُس لئے کہ انسان نجات پائے یا حاصل کرے اُسے سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا چاہیے۔ یہاں مسئلہ خدا پر بحث کرنے کا موقعہ نہیں۔ صرف خدا پر ایمان لانے کا مسئلہ زیربحث ہے۔ یہ نجات بخش ایمان خدا پر ایمان لانے کا محض ظاہری اقرار نہیں خواہ ایسے ظاہری اقرار کے ساتھ دیگر لازمی فرائض بھی ملحق ہوں۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مقام میں ہوا" تم خوشی سے خرچ کرویا بے دلی سے تمہاری خیرات توکسی طرح قبول نہیں۔ کیونکہ تم نافرمان لوگ ہو اوران کی خیرات کے قبول ہونے کی اورکوئی وجہ مانع نہیں ہوئی مگریہی ایک اُنہوں نے اللہ اوراُس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اورنماز کو پاتے ہیں تو بس اکسائے ہوئے اورخرچ کرتے ہیں توبس بد دلی سے۔۔۔۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ بزدلے لوگ ہیں"(سورہ توبہ ۹: ۵۳، ۵۴، ۵۶) سارے دینی اعمال کی تہ میں باطنی ہونا چاہیے۔

نجات بخش ایمان کے بارے میں جوخاص تعلیم پائی جاتی ہے وہ اُس آیت سے ظاہر ہے " اے ایمان دارو اللہ پر ایمان لاؤاوراُس کے رسول پر اوراُس کی کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر اتُاری ہے اوراُن کتابوں پر جوپہلے اُتاریں ہیں۔ جوشخص اللہ کا منکر ہو اوراُس کے فرشتوں کا اوراُس کی کتابوں کا اوراُس کے رسولوں کا اورروزآخرت کا تووہ بڑی دور بھٹک گیا(سورہ نسائی ۴: ۱۳۵، ۱۳۶)۔

نجات پانے والوں کو جوکچھ درکار ہے اُس کا مفصل اور جامع بیان قرآن کی مذکورہ بالاآیت میں ہوا ہے۔ اس آیت کے مطابق پانچ ارکان دین نجات کے لئے لازمی ٹھہرائے گئے ہیں(۱) خدا(۲) فرشتے (۳) اُس کی کتابیں (۴) اُس کے رسول (۵) آخری دن ۔ ان ارکان دین یا صفت ایمان کے مسائل پر ہم بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن سرسری نظر سے تقدیر پر ہم کچھ غور کریں گے جومحمدی علمائی فضلا کی تعلیم کے مطابق چھٹا رکن دین ہے۔ وہ قرآن کے اس عقیدے میں پایا نہیں جاتا اورازروئے قرآن اسے عقیدے کا لازمی جز قرار نہیں دے

سکتے۔ اس میں توکچھ شک نہیں کہ تقدیر کی تعلیم قرآن میں پائی جاتی ہے لیکن اس کی تشریح ٹھیک طورسے کیا کی جائے یہ ذرا مشتبہ ہے۔لیکن یہ ماننا تومشکل ہے اورثابت کرنا ہے ناممکن ہے کہ قرآن نے کوئی ایسا تقاضا کیا ہے کہ فلاں طور اور فلاں صورت سے اس کو نجات بخش ایمان کا لازمی جزوسمجھو۔

مگر نجات بخش ایمان میں ان پانچ ارکان کے باطن میں دل سے قبول کرنے کی نسبت کچھ زیادہ داخل ہے۔ اس میں خدا پر توکل رکھنا داخل ہے جس خدا پر ایمان لانے کا تقاضا یہاں سے اُس پر توکل رکھنے سے ایک خاص شخصی تعلق مُراد ہے۔ ایماندارکو چاہیے کہ وہ خدا پر بھروسہ رکھے اوراپنے تئیں اُس کے سپردکرنے اورتوکل رکھنے پر راضی ہو" مومن توبس وہی ہے کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تواُن کے دل دہل جاتے ہیں اورجب آیات الہٰی اُن کو پڑھ کرسنائی جاتی ہیں تووہ اُن کے ایمان کو اور بھی زیادہ کردیتی ہیں۔ اوروہ اپنے پروردگارہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جونماز پڑھتے ہیں اورہم نے جواُن کوروزی دی ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں یہی ہیں سچے مومن" (سورہ انفال ۸: ۲سے ۴)۔

خدا پرایسا بھروسہ رکھ کر آدمی حقیقی اطاعت سے سب کچھ قبول کرے جواُس کی طرف سے وارد ہو۔ خواہ خوش بختی ہوخواہ بدبختی " اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جوخدا کی عبادت کرتا ہے اکھڑا اکھڑا کہ اگراُس کوکوئی فائدہ پہنچ گیا تواُس کی وجہ سے مطمئن ہو گیا اور اگراُس پر کوئی مصیبت آپڑی توجدھر سے آیا تھااُلٹا اُدھرہی کو لوٹ گیا۔ اُس نے دنیا کھوئی اورآخرت صریح گھاٹا یہی ہے"(سورہ الحج ۲۲: ۱۱، ۱۲) دین کے غلط ہونے کا شائبہ تک دل میں نہ ہو اور نہ بُت پرستوں کے طوروطریقوں کی طرف عود کرجانے کی خواہش ہو۔

اس ایمان کی راہ میں آدمی کو جوپہلا قدم اٹھانا ہے وہ توبہ کا قدم ہے۔ ہم اس کا ذکر کرچکے ہیں کہ ہمارا ارادہ یہاں اس امر پر بحث کرنے کا نہیں کہ ایمان توبہ پر مقدم ہے۔ البتہ قرآن کی بعض آیات میں یہ ترتیب ملتی ہے۔ توبہ ، ایمان، نیک

اعمال ، چنانچه یه لکھا ہے۔۔۔۔ وہ نقصان اٹھائیں گے سوائے اُن کے جوتوبہ کرتےایمان لاتے اورجوکچھ راست ہے وہ عمل میں لاتے ہیں یہی فردوس میں داخل ہوں گے۔۔۔ اورایک دوسری آیت میں یہ آیا ہے"۔۔۔ جوکوئی خدا کی طرف پھرتا اورایمان لاتا اورراستی کے کام کرتااورہدایت کے تابع ہوتا ہے۔ میں اُس کو معاف کردوں گا"(سورہ مریم ۱۹: ۶۰، ۶۱، سورہ طه ۲۰: ۸۴، نیزدیکھو سورہ ۲۵: ۷۰،۷۱، ۲۸: ۱۵- ۲۴: ۵ ۱،۴، ۷،۱۵۲- ۴: ۲۱،۱۹: ۶۱)۔

حالانکہ قرآن میں صاف طور سے توبہ کی ضرورت کا بیان ہوا ہے، توبھی کسی جگہ صفائی سے یہ بتایا نہیں گیا کہ یہ توبہ ہے کیا۔ البتہ توذکر ہے کہ بدکرداری سے توبہ ہے یافعل ناحق یاگناہ سے منہ پھیرنا توبہ ہے۔کیونکہ کئی آیتوں میں اس کابیان آیا ہے۔ سچ مچ خدا اُن کی توبہ قبول کرے گا جونادانستہ بدی کا ارتکاب کرتے ہیں اورپھر جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں ۔ خدا اُن کی طرف پھرے گا (سورہ النسائی ۴۰: ۲۱ ، سورہ ۷: ۱۵۲،۱۶: ۱۲۰)۔

لیکن جیسا ہم نے قرآن کی تعلیم دربارہ گناہ پرغورکرتے وقت بیان کیا کہ گناہ کی بدی کا کہ وہ خدا کی محبت کو نقصان پہنچاتا ہے صاف خیال نہیں جاتا ویسا ہی یہاں بھی صاف ذکر نہیں کہ توبہ میں محبت کے خدا کے سامنے دل کی شکستگی اورخستگی بھی داخل ہے جس کے خلاف کہ انسان نے گناہ کیا۔ توبہ محض افسوس کے ساتھ اس امر کوتسلیم کرلینا ہے کہ جورفتار اُس نے پہلے اختیار کی تھی وہ خدا کے احکام کے مطابق نہ تھی یاخود گنہگارانسان کے فوائد کے خلاف تھی۔

لیکن ہم یہ یادرکھیں کہ قرآن نے صاف طور سے گناہ کی معافی مانگنے اورتوبہ کرنے کے درمیان امتیاز کیا ہے جوبدی سرزدہوئی اُس کی معافی مانگنا بذاتِ خود ارتکاب گناہ کے لئے توبہ نہیں۔ یہ امتیاز ہم خبرداری سے یادرکھیں۔جوشخص نجات کا طالب ہے وہ نہ صرف گناہوں کی معافی مانگے بلکہ توبہ کرے یعنی جورفتار اُسکے پہلے اختیار کی تھی اُس کے ترک کرنے اورنئی رفتار اختیارکرنے کا عزم بالجزم کرے جوقرآن میں منکشف شدہ خدا کی مرضی کے مطابق ہو۔ چنانچہ یہ

لکھا ہے " یہ کتاب جس کی آیات حکمت پر مبنی ہیں اورجوخدائے دانا دوعالم سے صادر ہوئی ہیں کہ تم خدا کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتے۔سچ مچ میں تمہارے پاس اُس کی طرف سے تنبیہ اوربشارت لے کر آیا ہوں تاکہ تم اپنے خدا سے معافی مانگو اوراُس کی طرف پھرو'(سورہ ہود۱۱:۱سے ۳، ۵۴، ۶۴، ۹۶)۔

یہ توبہ خدا کی جانب سے توبہ ہے۔ یہ محض ایک نیاورق پلٹنا نہیں بلکہ عمداًاپنے گناہ کوتسلیم کرلینا۔ اپنی بدکرداری کا اقرارکرلینا جس کے بغیر نہ آدمی معاف کی طلبگار ہوسکتا ہے اورنہ خدا کی طرف پھرسکتا ہے ۔ توبہ محض اس افسوس کو نہیں کہتے کہ جورفتار میں نے اختیار کی تھی وہ ناراست اورغلط تھی ۔ بلکہ یہ فی الواقع خدا کی طرف پھرنا ہے۔ اس نئے ارادہ اورمقصد سے کہ میں دل وجان سے خدا کی خدمت کرونگا۔

خدا کی جانب توبہ کرنے کے بغیر افسوس کا ذکر قرآن کے کئی مقامات میں پایا جاتا ہے ۔ ان میں سے بعض مقامات تواس زندگی میں افسوس کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں " اُس نے (خدا نے) کہا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کئے سے نادم ہونگے چنانچہ حق کے مطابق اُن کو آوازِسخت نے آپکڑا۔ اورہم نے اُن کو خس وخاشاک کی طرح مال کردیا"(سورہ مومن ۲۳: ۴۲، ۴۳، نیزدیکھو سورہ ۲۶: ۵۷، ۴۹: ۱۶- ۵: ۳۴)۔

دیگرمقامات میں بے ایمانوں کے پچھتانے اورافسوس کرنے کا ذکر آتا ہے جووہ آخری روزکریں گے ۔ جس دن اُن کو سزا کے عذابوں کی حقیقت معلوم ہوگی جو اُن پر نازل ہونگے لیکن اس سے اُن کو اُس دن کچھ فائدہ نہ ہوگا(سورہ ۱۰: ۵، ۳۴: ۳۲)۔

حقیقی توبہ میں خدا کی طرف پھرنا داخل ہے۔اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں دل کی تبدیلی کی ضرورت کی تعلیم پائی جاتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ بعض آیات میں توبہ داراصلاح کا ساتھ ساتھ ذکرآیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق حقیقی توبہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس بدی کا

انسان مرتکب ہو اُس سے باز آئے۔اس لئے یہ لکھا ہے" جن لوگوں نے توبہ کی اوراپنی حالت درست کرلی اوراللہ کا سہارا پکڑا اوراپنے دین کو خدا کے واسطے خالص کر لیا تویہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہونگے اوراللہ مومنوں کوبڑے اجر دے گا"(سورہ نسائی ۴: ۱۴۵)" تمہارے پروردگار نے رحمت کرنا پنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ جوکوئی تم میں سے براہ نادانی کوئی گناہ کربیٹھے پھرکئے پیچھے توبہ اوراصلاح کرلے تووہ بخشنے والا مہربان ہے"(سورہ انعام ۶: ۵۴)۔

قرآن میں کہیں یہ تعلیم نہیں ملتی کہ گناہ کرتے جاؤ تاکہ فضل زیادہ ہو۔ سخت سے سخت گنہگار کے لئے بھی اُس نے معافی کی اُمید کوپیش کیا۔ یعنی ایسے گنہگار کے لئے جوباربار فضل سے گرجاتا ہے۔لیکن ایسوں کے لئے اس میں کوئی اُمید نہیں جواپنی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے۔سچی توبہ کے ساتھ اصلاح کا عزم لازمی ہے اورتوبہ کے بعداصلاح کی کوشش اور راست زندگی ضرورہونی چاہیے۔ اس لئے نزع کے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔

البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے توبہ اورتبدیلی دل میں امتیازنہیں کیا جوانسان کی دینی زندگی کے شروع میں ہونی چاہیے۔اورکہ توبہ اورتبدیلی دل جوایسے ایمان دار کا لازمی فرض ہے جویہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کوخوش کرنے کی جوکوشش باربار اُس نے کی اُس میں وہ ناکامیاب ہی ہوتا رہا۔ اس امتیازکاکچھ پتہ اُن آیات سے لگ جاتا ہے جن میں لفظ تاب کی بجائے لفظ آبا یا اواب آیا ہے۔اس قرینے میں یہ بھی یادرکھیں کہ ایوب، داؤد اور سلیمان کو ایمانداروں کے طورپر پیش کیا ہے،کیونکہ اُنہوں نے توبہ یاخدا کی جانب پھرنے کا عمدہ نمونہ دکھایا۔(دیکھو سورہ ۳۸: ۱۶، ۱۸، ۲۹، ۴۴، ۱: ۳۱- ۱۷: ۲۷)اگر لفظ تاب کی بجائے لفظ آبا کے استعمال میں کوئی خاص امتیازپایا جاتا ہے تووہ کچھ اس قسم کا ہوگا کہ جب لفظ تاب مستعمل ہوا تووہ ایسی توبہ تھی جوارتکاب گناہ سے فوراً بعد عمل میں آئی۔

خواہ کچھ ہی ہو ہم دلیری سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ازروئے قرآن ایماندار کاکوئی ایسا تجربہ نہیں جسے ہم نئی

پیدائش کہتے ہیں۔اگرآدمی گناہ میں مردہ نہیں ہوا تواُس کوروح کی پیدائش درکارنہیں اُس کو صرف توبہ اورتبدیلی دل درکار ہے اورثواب کے ان اعمال میں مدد کرنے کوخدا ہمیشہ تیار رہے اورجب وہ اعمال سرزد ہوئے توخدا ہمیشہ اُن کوقبول کرنے پرآمادہ ہے۔

لیکن ازروئے قرآن محض توبہ اورایمان نجات کے لئے کافی نہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ اعمال حسنہ کی بھی ضرورت ہے ۔ بعض محمدی علمائی کی یہ رائے کہ جوشخص یہ کلمہ زبان سے نکالتا ہے لا الہ اللہ محمد رسول اللہ وہ مرنے کے بعد بہشت کی نعمتوں کو حاصل کرتا ہے۔اس خیال کرنے کا ایک ناقص سا طریقہ ہے کہ نجات سراسر خدا کے فضل سے ایمان کے وسیلے حاصل ہوتی ہے ۔ قرآن نے ہمیشہ تاکید سے ان تینوں اُمورپر زور دیا، توبہ ، ایمان، اوراعمال حسنہ اس لئے یہ ماننا مشکل ہے کہ حضرت محمد صاحب کوکبھی یہ خیال گذراہوکہ اعمال حسنہ کے بغیرکبھی سچا ایمان ہوسکتا ہے۔

اس لئے اب ہم اس امر پرغورکریں گے کہ آزروئے قرآن ایماندارکی نجات میں اعمال حسنہ کی جگہ کیا ہے۔ اوراول توہم یہ دکھائیں گے کہ قرآن نے اعمال حسنہ کی ضرورت پرکیسا زوردیا اوربتایاکہ وہ انسان کی اصلاح کا ظاہری اورمرئی نشان اوراُس کی توبہ اورایمان کا ظاہراً ثبوت ہے۔

جن آیات میں اعمال حسنہ کا ذکرآیا ہے وہ توبہت سی ہیں اورتقریباً ہرجگہ اُن کا تعلق ایمان سے بتایا گیا ہے۔ ہم یہ ذکرآئے ہیں کہ قرآن میں یہ کہیں بیان نہیں ہوا کہ بدکرداری کے ترک کئے بغیر کوئی توبہ ہوسکتی ہے اوریہاں ہم یہ کہیں گے کہ اسی طرح قرآن میں یہ ذکر بھی نہیں کہ ایمان بغیر اعمال کے ہوسکتا ہے خدا اوراُس کے مکاشفہ پر ایمان لانا اورنیک اعمال کرنا باربارلازم وملزوم کے طورپر بیان ہوئے ہیں جس سے تقریباً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صاحب کے نزدیک بغیراعمال کے ایمان کی ہستی بھی فی الحقیقت ممکن نہ تھی۔ اس کاذکر اُنہوں نے ایسے الفاظ میں تونہیں کیا لیکن ایماندارسے (یعنی جونجات کے وارث ہوں گے) جوکچھ

خدا طلب کرتا ہے اُس میں اُن دونوں کاایسا گہرا اتحاد پایا جاتا ہے کہ اُس کی تشریح اس کے بغیر ہونہیں سکتی کہ حضرت محمد کا منشا یہ ظاہر کرنے کا تھا کہ یہ دونوں ایسے طور سے پیوستہ ہوں کہ ان کو جدا کرنا ناممکن ہے۔اعمال کے بغیر ایمان کھوکھلا دکھلاوے کا ایمان یامحض ریاکاری ہوگا۔

جن آیات میں ایمان اوراعمال کا اکٹھا بیان ہوا اُن کی یہ چند مثالیں ہیں" جونیک عمل کرے گا اوروہ ایمان بھی رکھتا ہوگا تواُس کو نہ بے انصافی کا خوف ہوگا اورنہ حق تلفی کا " (سورہ طٰہٰ ۲۰: ۱۱۱)۔جوکوئی نیک کام کرے اوروہ ایمان بھی رکھتاہو تواُس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں۔اورہم اُس کے اعمال نیک سب لکھتے جاتے ہیں (سورہ الانبیائی ۲۱: ۹۴) پھر جولوگ ایمان لائے اوراُنہوں نے نیک عمل کئے اُن کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی"(سورہ الحج ۲۲: ۴۹)۔ آخری مثال یہ ہے " اے ایماندارو خدا نے تم کوآگاہ کرنے کے لئے ایک رسول تمہاری طرف بھیج دیا ہے جوتم کو خدا کی کھلی کھلی آئتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جولوگ ایمان لائیں اورنیک عمل کریں اُن کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔اورجوشخص اللہ پر ایمان لائے گا اورنیک عمل کرے گا خدا اُس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی اوراُن میں سدا کوہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے اُن کوخوب ہی روزی دی (سورہ طلاق ۶۵: ۱۱)۔

مذکورہ بالا آیات اُن بہت ساری آیات میں سے چند ہیں جن میں ایمان اوراعمال کا ایسا اکٹھا ذکرآیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ عملاً ان دونوں کہ جُدا نہیں کرسکتے۔ اعمال کے بغیر ایمان ناممکن ہے ۔ ضرورہے کہ ایمان اعمال میں ظاہرہو۔

یہاں تک توہم نے دکھایا کہ اعمال،توبہ اورایمان کی ہستی کا ظاہراً ثبوت ہیں۔ اب ہم اس پرغورکریں گے کہ ایمان اوراعمال میں رشتہ ہے تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ ان دونوں کے لازمی اتحاد کی حقیقت کے بارے میں قرآن نے کیا تعلیم دی۔

کیا اعمال محض ایمان کے بعد وقوع میں آتے ہیں؟ یعنی کیا نجات حاصل کرنے کےلئے یہ ایک اگلا قدم ہے۔ جب

کہ پہلا قدم ایمان تھا؟ یانیک اعمال کا رشتہ ایمان کے ساتھ ایسا گہرا ہے اوراُن کاساتھ ایک دوُسرے سے ایسا لازمی ہے کہ ایک دُوسرے سے جُدا ہوکر وہ اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتے؟

سرسری طورسے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ازروئے قرآن نیک اعمال کئے بغیر جوایمان سے صادرنہ ہوں اُن کو نیک اعمال گردان ہی نہیں سکتے۔ جن سے بہشت کا وعدہ ہوا ہے وہ محض نیک اعمال کرنے والے نہیں بلکہ جوایمان لائے اورنیک اعمال کرتے ہیں۔(سورہ ۲۰: ۳- ۲۱: ۹۴- ۲۲: ۱سے ۱۰)۔

خدا پر حقیقی ایمان لائے اوراُس کی منکشف مرضی کی اطاعت کئے بغیر جواعمال سرزد ہوتے ہیں وہ خدا کے آگے نامقبول ہیں۔ ایسے اعمال خدا کوخوش کرنے کی بجائے بالکل ناکارہ ٹھہرتے ہیں" اُن کی یہ نوبت اس لئے ہوئی کہ جوچیز خدا کو بُری لگتی ہے یہ اُسی پر چلے اوراُس کی خوشی نہ چاہی توخدانے اُن کے عمل ملیا میٹ کردئیے(سورہ محمد ۴۷: ۳۰، نیزدیکھوآیت ۸: ۳۴)۔شائد کسی کویہ خیال گذرے کہ جن اعمال کا یہاں ذکر ہے وہ زیادہ تر شریروں کے بداعمال ہیں جن کو خدا ملیا میٹ کردے گا، اورقرآن میں کئی دفعہ شریروں کے اعمال کا ذکرآیاہے ۔ خاص کر ایسے اعمال کا جو اس غرض کے لئے کئے گئے تاکہ سچے مومنوں کونقصان پہنچے یا اُن کی مخالفت ہوایسے اعمال کوخدا ملیا میٹ اورتباہ کردیتاہے۔لیکن یہ بھی خیال غالب ہے کہ یہاں ایسے اعمال کی طرف اشارہ ہو جن کے ذریعے لوگ اپنی بے ایمان اورجہالت میں یہ سمجھتے ہوں کہ وہ خدا کے منظورِنظر ٹھہریں گے۔

مومنوں کے نیک اعمال بھی اگرحقیقی ایمان اوراُس کے رسول کی اطاعت بغیرصادرہوں تووہ عدم ایمان اورعدم اطاعت کے باعث ملیا میٹ ہوں گے"اے ایماندارواللہ کے حکم پر چلو اوررسول کےحکم پر چلو اوراپنے عملوں کو ضائع نہ کرو(سورہ محمد ۴۷: ۳۴)۔

پس یہ ظاہر ہوگیاکہ اعمال ایمان سے سرزد ہوں اورایمان اوراطاعت کی غرض سے کئے جائیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہیں کہ اُن کی اخلاقی قدرومنزلت ہو ورنہ اُن کا کچھ اثر

نہ ہوگا۔ محض کسی فعل کا ظاہرا ارتکاب "نیک عمل" دکھائی دے تودے لیکن حقیقت میں وہ نیک عمل نہیں ۔محض اندرونی غرض اورنیت سے کوئی کام ایمان کا حقیقی عمل ٹھہرسکتا ہے اوروہی دارصل "نیک عمل ہوگا"۔

مگریہ نیک اعمال ایمان وتوبہ کے وجود کا صرف اظہار ہی نہیں بلکہ بذات خودایک مقصد ہیں۔ کیونکہ وہ راست بازی گنے جاتے ہیں۔ خدا اوراُس کے مکاشفے پر ایمان لانے ہی سے ایمان دارکا مقصد راست بازی کی تحصیل ہوگا۔ ایسی زندگی کے ذریعے جس میں اطاعت اورخدا اوررسول کی فرمانبرداری کی روح ظاہر ہو، اور راست بازی کے کام سرانجام دئیے جائیں۔

اس لحاظ سے قرآن کی تعلیم اُس یہودیت کے لگ بھگ ہے جوسیدنا مسیح کے دنوں میں مروج تھی۔ چال وچلن کے متعلق قرآن کے احکام ٹھیک پابندی میں وہ سارے افعال داخل ہیں جن کا ٹھیک طورسے بجالانا لفظ راست بازی سے تعبیر ہوسکتا ہے۔ راست بازی کے معنی کی تشریح اس آیت میں آئی ہے" یہ نیکی ہی نہیں کہ اپنا منہ مشرق یامغرب کی طرف کرلو، بلکہ نیکی تواُن کی ہے جواللہ اورآخرت اورفرشتوں اوررسولوں پر ایمان لائے اورمال اللہ کی حُب پر رشتے داروں اوریتیموں اورمحتاجوں اورمسافروں اورمانگنے والوں کو دیا اورغلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کوچھڑانے میں دیا۔اورنماز پڑھتے اورزکوات دیتے رہے اور جب کسی بات کا اقرار کرلیا تواپنے قول کے پورے اورتنگی میں اوتکلیف میں اورہلاچلی کے وقت میں ثابت قدم رہے۔ یہی لوگ ہیں جوبچے نکلے اوریہی ہیں جن کوپرہیزگار کہنا چاہیے(سورہ بقر۲: ۱۷۳)۔

جواِن کاموں پر کاربند ہوں وہی راست بازہیں۔ اُن کے نیک اعمال خدا کو مقبول ہیں کیونکہ وہ ایمان سے سرزد ہوئے " جونیک کام کرے اوروہ ایمان بھی رکھا ہو تو اُس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں اورہم اُس کے اعمال نیک سب لکھتے جاتے ہیں"(سورہ انبیائی ۲۱: ۹۴)۔

یہاں موقعہ ہے کہ قرآن میں راست باز ٹھہرنے کی جوتعلیم ہے اُس کا ذکر کیا جائے۔ راست باز ٹھہرنا اعمال سے

ہے۔ یہ اعمال ایمان کا ثمرہ ہوں۔ لیکن اعمال سے علیحدہٰ ایمان سے راستباز ٹھہرنے کی کوئی تعلیم نہیں۔ آدمی کی جیسی زندگی اوراُس کے اعمال ہوں گے ویسا ہی وہ راست بازیا گنہگار ٹھہرے گا، یعنی راست بازیا ناراست باز ٹھہرے گا"۔

آدمی اپنے تئیں دھوکا دینے کی طرف ایسا رُحجان رکھتا ہے کہ وہ اپنی نیت اوراپنے نیک اعمال کی قدر وقیمت دریافت کرنے کےلئے سچا مصنف نہیں ہوسکتا۔ صرف خدا ہی سچا مصنف ہوسکتا ہے۔ اوراس فیصلے میں جو کچھ اُسے بہتر معلوم ہوتا ہے وہی کرتا ہے۔ پھر بھی اُس کے فیصلے میں کوئی بے انصافی اورغلطی نہ ہوگی۔ ہر شخص یقین جانے کہ خدا ذرا بھر بھی کسی سے ناحق نہ کرے گا۔ "کیا تونے اُن لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو آپ بڑے مقدس بنتے ہیں۔ آپ مقدس بننے کیا ہوتا ہے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے اورظلم توکسی پر ایک تس کے برابر بھی نہ ہوگا" (سورہ نسائی ۴: ۵۲)۔خدا کے عدل کا بیان کئی ایک آیات میں ہوا ہے اورمثال کے طورپر مفصلہ ذیل آیت پیش کی جاتی ہے "تمہارا پروردگار اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جواُس کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اوراُن کو بھی خوب جانتا ہے جوراہ راست پر ہیں اوراللہ ہی کا ہے جوکچھ آسمانوں میں ہے اُسی نے اُنکو بنایا اورپیدا کیا ہے تاکہ اُن لوگوں کوجنہوں نے بُرے عمل کئے اُن کے کئے کا بدلہ دے۔ اورجنہوں نے اچھے عمل کئے ہیں اُن کو اچھا بدلہ دے جوبڑے بڑے گناہوں اوربے حیائی کےکاموں سے بچتے رہتے ہیں۔ مگرچھوٹے چھوٹے گناہ بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت وسیع ہے ۔ وہ تم لوگوں کوخوب جانتا ہے جب تم بنی آدم کومٹی سے بنا کھڑا کیا جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچ تھے۔ تم اپنی پاکیزگی نہ جتایا کرو،پرہیز گاروں کووہی خوب جانتا ہے" (سورہ نجم ۵۳: ۳۱سے ۳۳)۔

راست باز ٹھہرنے کی بنایا اس امر کی تشریح کہ خدا کیسے کسی ایماندار کوراست باز سمجھ سکتا اورراست باز ٹھہرا سکتا ہے جوبذات خود راست باز نہیں۔اس کا کچھ ذکر قرآن میں پایا نہیں جاتا۔ راست باز ٹھہرانا محض خدا کی رحمت سے عمل میں آسکتا ہے۔ لیکن یہ خیال مطلق اس

ساری کتاب میں نہیں ملتا کہ عدل مطلق اورغیر مشروط معانی اجتماع ضدین ہیں۔ اسی وجہ سے راستباز ٹھہرانے کا مسئلہ جوقرآن میں پایا جاتاہے وہ مسیحی علمائے دین کے نزدیک کھوکھلا ہے اوراس لئے بعض اوقات یہ کہا جاتاہے اوراس میں بہت کچھ صداقت بھی ہے، کہ قرآن میں راست بازٹھہرانے کا مسئلہ فی الحقیقت ہے نہیں۔اُس میں تو صرف یہ ذکر ہے کہ اگرکوئی توبہ کرے اوراحکام الہٰی کی اطاعت کرنے لگے توخدا اُس کو مغفرت عطا کرتا ہے ۔ گناہ کے بارے میں جوقرآن کی تعلیم کا بیان ہوا یہ اُس کے بالکل مطابق ہے۔ اب ہم یہ دریافت کریں کہ نیک اعمال کے لئے آدمی کی نیت کیا ہونی چاہیے۔ ایسے اعمال جب کبھی ایمان سے کئے جائیں تووہ خدا کی خاطر کئے جائیں۔ یعنی خدا کو خوش کرنے کی نیت سے کئے جائیں۔اوراُس کی مہربانی حاصل کرنے کے لئے ۔ نہ اپنی شہرت وتعریف کے لئے اورنہ دنیاوی فائدے کے لئے " یہ لوگ ہیں جو اپنی منتیں پوری کرتے ہیں۔ اوراُس روز سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیلی ہوئی ہوگی۔ اورخدا کا حُب کرکے محتاج اوریتیم اورقیدی کوکھانا کھلادیتے ہیں اوراُن کو جتابھی دیتے ہیں کہ توتم کو صرف خدا کا منہ کرکے کھلادیتے ہیں۔ ہم کو تم سے نہ کچھ بدلہ درکار ہے اورنہ شکرگزاری ،ہم کو اپنے پروردگارے سے اُس دن ڈرلگ رہا ہے "(سورہ الدہر ۷۶: ۷ سے ۱۰)۔

توبھی جب وہ خدا کی خاطر کئے جائیں تاکہ ایمان دارکو خدا کی نظر میں مقبولیت حاصل ہو ایسے اعمال کے ساتھ ایک اخلاقی فعل یا نیت ہونی چاہیے ۔ شائد یہ امر زکوات کے بارے میں زیادہ آشکارا ہے۔ یہودی دین کی طرح زکوات راست بازی حاصل کرنے کے بڑے بڑے وسائل میں سے ایک ہے۔ لیکن زکوات کو محض ایک ظاہری فعل قرارنہ دیں۔ جوشخص زکوات دینے میں ہمدردری کو محسوس نہیں کرتا اورحقیقی ایثارِنفس ظاہر نہیں کرتا وہ ازروئے قرآن ایسے فعل سے کسی راست بازی کوحاصل نہیں کرسکتا " جب تک خدا کی راہ میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کروگے جوتم کو عزیز ہیں نیکی کوہرگزنہ پہنچ سکوگے، اورکوئی سی چیزبھی خرچ کرو اللہ

اُس کو جانتا ہے "(سورہ آل عمران ۳: ۸٦)۔ زکوات دینے کی حقیقت خوہ ایثاری اورخود انکاری ہے۔مفصلہ ذیل آیت میں بھی یہ خیال صاف طورسے ظاہر ہوا ہے" اورلوگوں میں سے کچھ نیك بندے ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضاجوئی کے لئے اپنی جان تك بھی دے دیتے ہیں ۔ اوراللہ بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے"(سورہ بقر۲: ۲۰۳)۔

نیك اعمال محض ایسا فرض نہیں کہ جس کا تقاضا کسی سے کیا جائے بلکہ وہ اُن میں ہمیشہ ترقی کرتا رہے ۔ جس قدر وہ زیادہ نیك اعمال میں ترقی کرے گا اُسی قدر زیادہ وہ اپنے ایمان، توبہ اورخدا کو خوش کرنے کی آرزو کا یقینی ثبوت دے گا۔ چنانچہ ایسی آیات پائی جاتی ہیں " اوراپنے پروردگار کی مغفرت اورجنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ اتنا بڑا ہے جیسے زمین وآسمان کا پھیلاؤ۔ اُن پرپرہیزگاروں کے لئے تیاررہے جوخوشحالی اورتنگدستی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اورلوگوں کے قصوروں سے درگذرکرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے (سورہ آل عمران ۳: ۱۲۷، ۱۲۸)۔" تم نیك کاموں کی طرف لپکو۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ توجن جن باتوں میں تم اختلاف کرتے رہے ہو وہ تم کو بتادے گا"(سورہ مائدہ ۵: ۵۳)۔ جن نیك اعمال میں لوگوں کوترقی کرنے کے لئے کہا گیا اُن میں لین دین میں دیانت داری اورراستی ، مہربانی ، حلم غصے میں دھیما ہونا۔معاف کرنے اوررحم کرنے کی طبعیت ، استقلال اورصبر بھی داخل ہیں۔ ایماندار سے جویہ تقاضا کیا گیا ہے اُس کے ثبوت میں یہ آیت بھی مفید ہوگی" اللہ ہی کی عبادت کرو اوراُس کے ساتھ کسی چیز کوشریك مت ٹھہراؤ اورماں باپ اورقرابت والوں اوریتیموں اورمحتاجوں اورقرابت والے پڑوسیوں اورپاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اورجوتمہارے قبضے میں ہیں ان سب سے سلوك کرتے رہو، اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جواترائیں اوربڑائی مارتے پھریں۔ آپ بخل کریں اورلوگوں کوبھی بخل کرنے کی صلاح دیں اوراللہ نے اپنے فضل سے جوکچھ اُنہیں دے رکھا ہے اُسے چھپائیں۔ اورہم نے اُن لوگوں کے لئے جونا شُکری کریں۔ ذلت کا عذاب

تیارکررکھا ہے۔ مال خرچ کریں تولوگوں کو دکھانے کےلئے اورایمان پوچھو تونہ اللہ کا اورنہ روزآخرت کا ۔ اور شیطان جس کا ساتھی ہو وہ بہت ہی بُرا ساتھی ہے" (سورہ نسائی ۴: ۴۰سے ۴۲)۔ پیمانہ بھردیاکرو، اورنقصان پہنچانے والے نہ بنو اورترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، اورلوگوں کو اُن کی چیزیں کمی سے نہ دیاکرو، اورملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو" (سورہ الشعرا ۲۶: ۱۸۱سے سے ۱۸۳)"تجھ کو کون سکھائے گا کہ گھاٹی کیا ہے۔ گردن کا چھڑا دینا یابھوک کے دن یتیم رشتہ داریامحتاج خاک نشین کوکھلانا۔ اس کے علاوہ اُن لوگوں میں ہونا جوایمان لائے اورایک دوسرے کوصبرکی ہدایت کرتے رہے۔ اورایک دوسرے کی رحم کرنے کی ہدایت کرتے رہے یہی لوگ مبارک ہوں ہونگے" (سورہ البلد ۹۰: ۱۲سے ۱۸)۔ اورجن لوگوں کوعلم کی دولت دی گئی تھی بولے کہ تمہارا ناس جائے جوایمان لایا اوراُس نے نیک عمل کئے اُس کے لئے ثواب خدا بہتر ہے۔ مگرصبرکرنے والوں کے سوا وہ ملا نہیں کرتا (سورہ القصص ۲۸: ۸)۔

جہاں تک معلوم کرسکتے ہیں قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ان نیک اعمال کے کرنے سے ایماندار کودل وجان کی ایسی طبعیت حاصل ہوجاتی ہے جو لفظ راست بازی سے تعبیر کی گئی ۔ جس نسبت سے ایماندار روحانی اخلاقی راستی میں ترقی کرتا ہے اُسی نسبت سے یہ راست بازی کم وبیش کامل ہوتی ہے لیکن مطلقاً یہ کامل کبھی نہیں ہوتی اورنہ اس کے کامل ہو جانے کی توقع کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی توقع نہیں کہ ایماندار راستی میں کبھی کامل ہوجائے گا۔ لیکن ساری خطائیں اورگناہ میں مبتلا ہونا اورادنیٰ حالت کی طرف عود کرجانا معاف کئے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ پھر وہ اعلیٰ حالت کی طرف رجوع لائے اور معراج اُس کے سامن دھراہے اُس پر چڑھنے کی کوشش کرے۔ اورجس قدر وہ اُوپر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے وہ اُسی درجے تک یہ معلوم کرے گا کہ خدا رحیم ہے اوراُس کے صغیرہ گناہوں اورخفیف خطاؤں کو نظرانداز کرنے کے لئے تیار ہے۔

پس خدا ایماندار کوراست باز سمجھتا ہے نہ اس لئے کہ وہ راستبازی کی تحصیل کی کوشش میں کم وبیش کامیاب ہوا بلکہ اُس لئے کہ اُسنے استقلال کے ساتھ الہٰی مدد پرتوکل کرکے اُس کو حاصل کرنیکی کوشش کی۔ خدا اُن لوگوں کے صغیرہ گناہوں اوربدکاریوں کوآسانی سے معاف کردینے کوتیارہے ، جو اُس کے احکام بجالانے کی سعی کرتے اوراُس چٹان کی طرف عزم بالجزم سے رُخ کرتے ہیں جس پر چڑھنے کے لئے اُن کو حکم ملا ہے۔ اُس لئے خدا بہت کچھ معاف کردیتا ہے ، جب وہ دیکھ لیتا ہے کہ ایماندار نے راست باززندگی کی بسرکرنے اوررحم کرنے کی معقول کوشش کی ہے۔

لیکن ازروئے قرآن اعمال کا مسئلہ اسی لفظ پر ختم نہیں ہوجاتابلکہ یہ ایک قدم آگے نکل جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ نیک اعمال روحانی ترقی کا محض نشان ہی نہیں سمجھے جاتے ۔ یعنی اصلاح شدہ زندگی کا پھل بلکہ عامل کے لئے فی الحقیقت ثواب حاثل کرنے کا وسیلہ بھی ۔

یوں یہ نیک اعمال نہ صرف ماقبل بدکرداریوں کا بلکہ حال کی بدکرداریوں کا بھی کفارہ سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس قسم کی آیات آئی ہیں" اگرخیرات ظاہر میں دوتووہ بھی اچھا اوراگراُس کو چھپاؤ اورحاجتمندوں کو دوتویہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اورایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا" (سورہ بقرہ ۲: ۲۷۳)۔

عموماً خیرات کے لئے ہی یہ ذکر آیاہے کہ وہ اُن کی خطاؤں یا گناہوں کا کفارہ ہے(سورہ ۵: ۹۱، ۹۶، ۴۹)۔لیکن عموماً نیک اعمال سے جوثواب حاصل ہوتاہے وہ ایسی قدروقیمت رکھتا ہے کہ بداعمال کی سزا کودُورکرے۔

ہم یہ ذکر آئے ہیں کہ ایماندار سے بھی یہ توقع نہیں کی جاتی کہ جو معیاراُس نے اپنے سامنے رکھا یااُس کے سامنے رکھا گیا اُس تک وہ پہنچے۔ وہ تو ضرور قاصر رہے گا اورگرے گا اس لئے بہت نیک اعمال" اُس کے کھاتے میں لکھے گئے اوراُن کے بالمقابل بہت بداعمال بھی مندرج ہیں" اُس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے تاکہ اُن کے عمل اُن کودکھائے جائیں

توجس نے ذرا بھر نیکی کی وہ اُس کودیکھ لے گااورجس نے ذرا بھی بُرائی کی وہ اُس کو دیکھ لے گا" (سورہ الزلزال۹۹: ٦ سے ۸)۔

ایماندار کی زندگی ایک ترازو کے مانند ہے جس کے ایک پلڑے میں نیک اعمال دھرے ہیں اوردوسرے پلڑے میں بد اعمال اورجو پلڑا بھاری ہوگا ویسے ہی عدالت کے دن اُس آدمی کی زندگی اوردرجہ ہوگا۔ یہ ماننا تومشکل ہے تو تولنے کا یہ طریقہ لفظی طور سے سمجھا جائے۔ اگرچہ بہت مفسروں نے اس کو لفظی طور سے سمجھا ہے۔ ہم کو دیا رکھنا چاہیے کہ یہاں زبان نہ صرف شاعرانہ بلکہ استعارا نہ ہے۔ نیک وبد اعمال بالمقابل دھرے ہیں اورروزِ عدالت کو نتیجہ کا حصہ اُس پر ہوگا کہ ان میں سے کس کا پلہ بھاری ہے۔ اس بیان میں کچھ توصداقت ہے۔ بشرطیکہ یہ تسلیم کرلیاجائے کہ آدمی کی قسمت یا مستقبل عملی تحصیل یاکم ازکم تحصیل کی کوشش پر مبنی ہے۔ نیک یابداعمال کی فوقیت سے آدمی کی سیرت کا اندازہ لگ سکتاہے۔ جس شخص کے ابداعمال اُ سکے نیک اعمال پر فوق رکھتے ہوں وہ شریر آدمی اوربد خصلت شخص ہے خواہ اُس سے کبھی کبھی کوئی نیک عمل بھی سرزد ہوا ہو۔ جس شخص کے نیک اعمال اُس کے بداعمال سے زیادہ بھاری ہوں وہ نیک شخص اورنیک سیرت آدمی ہے خواہ بعض اوقات یااکثر اُس سے بداعمال بھی سرزدہوئے ہوں۔ نیک یا بداعمال کے گویا وزن سے حاکم عادل کو اندازہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ شخص بحیثیت مجموعی نیک ذات اورنیک خصلت ہے اوراُسی خصلت کے مطابق اُس کو سزایا جزا ملے گی۔

ایک اورتشبیہ قرآن میں مستعمل ہوئی ہے۔ اُس میں آدمی کے نیک اعمال کوبھاری اوربدافعال کو ہلکے سے تشبیہ دی ہے۔ اس تشبیہ کے مطابق جتنے نیک اعمال آدمی کے حساب میں لکھے ہونگے اُتنے ہی وہ بھاری ہوں گے" عملوں کی تول اُس دن تک ٹھیک طور سے ہوتی توجن کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہی لوگ بامراد ہونگے اورجن کے اعمال کا وزن ہلکا ٹھہرے گا یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اس وجہ سے

اپنا آپ نقصان کیا کہ ہماری آیتوں کی نافرمانی کرتے تھے (سورہ اعراف ۷: ۷، ۸، نیز دیکھو سورہ ۲۳: ۱۰۴، ۱۰۵)۔

اس تشبیہ سے بھی وہی معنی نکلتے ہیں ۔ میزان کی تشبیہ میں جس امر کا ذکر ہے وہ سیرت ہے ۔نیک اعمال وہ ہیں جووزنی ہیں جن سے آدمی کی سیرت بنتی ہے جس سے کہ وہ خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرتا ہے۔ محض ایسے اعمال کا ارتکاب جوظاہر انیک اورحسنہ معلوم ہوتے ہوں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کوئی آدمی اپنے تئیں راست باز نہ ٹھہرائے۔ صرف خدا ہی یہ بتاسکتا ہے کہ فلاں شخص کے اعمال وزنی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ انسان کا کلی علم صرف اُسی کو حاصل ہے۔ آدمی ظاہرہ پاکیزگی کے ذریعے دوسروں کو فریب دے سکتا ہے بلکہ اپنے تئیں بھی دلوں کا جانچنے والا صرف خدا ہی ہے" (دیکھو سورہ ۴: ۵۲، ۵: ۳۳)۔

اگرچہ روحانی زندگی کی منزل انسان کو ایمان سے شروع کرنی چاہیے لیکن اُس کی آئندہ خوش بختی یا بدبختی کا حصر اُن اعمال حسنہ پر ہے جوایمان سے اُس نے کئے ہوں گے یا اُس بدی پر جو بے ایمانی سے اُس سے سرزد ہوئی ہوگی۔

اورجب ترازو دھرایا گیا اوراعمال تولے گئے توآدمی پرفتویٰ صادرہوگیا۔ یہ سزا اورعقوبت اُس کے ابداعمال کے عین متناسب ہوگی جہاں تک کہ اُن کا وزن نیک اعمال کے وزن سے زیادہ ہوگا اوربرعکس اس کے اگرنیک اعمال کا پلڑا بھاری نکلا تونیک آدمی کی جزا اورمقبولیت اُس کے نیک اعمال کے مجموعی وزن کے نہ صرف مطابق ہوگی کہ جس قدراُس کے نیک اعمال اُس کے بداعمال سے زیادہ تھے۔بلکہ جس ثواب کا وہ مستحق تھا اُس سے کہیں زیادہ ہوگی۔

یہاں تک توذکر ہوا کہ توبہ ایمان، اورنیک اعمال کے بارے میں قرآن کی کیا تعلیم تھی جس سے کہ آدمی راست باز ٹھہرسکتا ہے اب ہم یہ بیان کریں گے کہ پاکیزہ بننے کے مسئلے کی اُس میں کیا تعلیم پائی جاتی ہے۔

اعمال حسنہ کی نسبت یہ مسئلہ اسلامی تعلیم میں بہت کچھ پس پشت ڈالا گیا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کی تعلیم

میں پاکیزہ بننا، اعمال حسنہ کا ایک طرح کا نتیجہ ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ قرآن میں شاذونادرہی یہ بذات خود مقصد ومدد ماناگیا۔ پاکیزہ بننے سے وہاں صرف یہی مراد ہے کہ ایماندار جب ایمان کی زندگی نیک اعمال میں بسر کرتا ہے تواُس کا جو اثرروح یاسیرت پر پڑتا ہے وہ پاکیزگی کہلاتا ہے ۔ شائد یہ کہنا بہتر ہوگا کہ قرآن میں پاکیزہ بننے کا کوئی مسئلہ پایا نہیں جاتابلکہ اُس کی جگہ اصلاح کا مسئلہ ملتا ہے۔

یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کے کسی جگہ نئی پیدائش کی ضرورت پر زورنہیں دیا ۔ نئی پیدائش کی ضرورت کی تعلیم کا عدم طبعاً اس رائے کا نتیجہ ہے جو حضرت محمد نے گناہ کے بارے میں قراردی۔ اورانسان کی فطرت پر گناہ کے اثرکا۔

ازروئے قرآن پاکیزہ بننا اُ س سطح کودوبارہ صاف شفاف کرنا ہے ۔ جس پر داغ ودھبے پڑگئے تھے۔ نہ اُس کی فطرت کی نوپیدائش جوبرباد ہوگئی تھی اورجس کی تبدیلی درکار تھی۔ توبھی وقتاً فوقتاً تاقرآن میں اس امر پرروشنی کی شعا پڑتی نظرآتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد کوخیال تھا کہ جوکچھ سطح پر نظرآرہا ہے اُس سے کچھ زیادہ بھی اس معاملے میں ہوگا۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ازروئے قرآن پاکیزہ بننے کا مسئلہ اس صداقت پر مبنی تھا کہ انسان کی بدی یانیکی کرنے کی قابلیت اُس کی مرضی پر موقوف تھا۔ اس کا ذکرہم کسی دوسری جگہ کرچکے ہیں اوراس لئے یہاں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس مضمون کے متعلق قرآن کی تعلیم میں اس کاکچھ پتہ پایا نہیں جاتا کہ ایماندارکوجسمانی حالت سے جدا ہوکر الہٰی حالت کی طرف جانے کی ضرورت تھی۔ ایسی علیحدگی مسیحیوں کے مسئلہ پاکیزگی کی بیخ وبنیاد ہے۔ مثلاً سورہ الشمس ۹۱: ۷ سے ۱۰ میں یوں مذکور ہے------۔ " جس نے اُس کودوست بنایا جس نے اپنی روح کوپاک کیا وہ ضرورمراد کو پہنچا اورجس نے اُس کو دبایا وہ ضرورگھاٹے ہیں رہا" ۔اگراس آیت میں صرف اصلاح ہی کا ذکر ہے اورکسی دیگرامر کا نہیں۔ اگراس امر کے بارے میں قرآن میں سے زیادہ

صاف عبارت پائی جاتی توہم مذکورہ بالاآیت میں خدا کے لئے جدا ہونے کے خیال کوداخل کرنے کے مجازتھے۔ لیکن چونکہ ایسا پایا نہیں جاتا اس لئے ہم یہ کرنہیں سکتے۔

پس ہم کو معلوم ہواکہ جوشخص حیاتِ آئندہ کی نعمتوں میں شریک ہوں اورخوشحال بننا چاہتا ہے اُس کا یہ لازمی فرض ہے کہ وہ اپنے تئیں پاکیزہ کرے۔ نفس کی پاکیزگی میں خاص کریہ داخل ہے کہ جوخدا کا حق ہے۔ اُس کو علیحدہٰ کردے یا خدا کےلئے اپنے آپ کو الگ کردے۔ جیساکہ خیرات دینے میں آدمی کی کل جائیداد ملکیت پاک ٹھہرتی ہے اس کے ساتھ انجیل مقدس کی اس عبارت کا مقابلہ کریں "(اندرکی چیزیں خیرات کردوتودیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا (لوقا ۱۱: ۴۱) ویسے ہی خود انسان یااُس کی روح پاک ہوجاتی ہے جب انسان وہ ایمان اوراطاعت پیش کرتا ہے جوخداکا حق ہے جب یہ عمل میں آیا توساری انسانیت پاک ہوگئی ۔ اصل میں اس جملے کے یہی معنی ہیں اوریہ توکچھ مشتبہ بات ہے کہ اس سے کچھ گہرے معنی اس جملے میں ہوں۔

ایک دوسری آیت میں پاکیزہ کرنے (زکا۔یزکی) کے لئے جو لفظ آیا ہے وہ ایسے طریقے سے آیا ہے جس سےظاہر ہوتا ہے کہ اس سے آدمی کی اصلاح مرا دہے۔ جس کے ذریعے سے آدمی اس امر کے قابل ہوجاتا ہے کہ خداکا ماینبغی حق ادا کرے" جیسا ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول کوبھیجا جوہماری آئیتیں تم کو پڑھ کرسناتا اور تمہاری اصلاح (یزکیمکہ) کرتا اورتم کو کتاب اورعقل سکھاتا۔۔۔ " (سورہ بقر۲: ۱۴۶)اس آیت میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت محمد لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اوراُن کو اس امر کی ترغیب دینے کے لئے تاکہ وہ ایسی راہ اختیارکریں جس سے وہ اپنے تئیں پاکیزہ کرنے کے قابل ہوجائیں۔ جوپاک اوردین دار ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جوخدا کواُس کا حق ادا کرتے ہیں اوراُس معنی میں وہ پاک بن جاتے ہیں جس کا ذکرہم نےخیرات کے ذکرکے ساتھ کیا۔

یہ ہمارے لئے جائے تعجب نہ ہوگا کہ قرآن میں پاکیزہ بننے کے مسئلہ کا کچھ ذکر پایا نہیں جاتا اگرہم یہ یادرکھیں کہ اس میں نئے جہنم کی تعلیم کا کچھ ذکر نہیں اورجیسا ہم پیچھے ذکرکریں گے عملاً اس میں روح القدس کے مسئلے کا کچھ ذکر نہیں۔

پاکیزہ بننے کو ہم اس پودے کا نشوونما کہہ سکتے ہیں جس کا بیج نئی پیدائش ہے۔ اورایماندار کے دل میں روح القدس کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ جواُس کی تجدید کرتی اوراس دنیاوی زندگی میں اُوپر کی طرف اُس کو ترقی دیتی جاتی ہے۔

اس کے بالمقابل قرآن میں اصلاح کی تعلیم ملتی ہے اور البتہ یہ اصلاح بھی خدا کے فضل سے عمل میں آتی ہے لیکن جہاں روح القدس کا کوئی خاص مسئلہ نہیں وہاں پاکیزگی کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوسکتا۔

اس امر میں قرآن کی تعلیم اُس کی باقی تعلیم کے عین مطابق ہے جیسا ہم ذکرکرچکے ہیں کہ نجات گناہ سے رہا ہونا نہیں بلکہ سزا سے بچنا اوراجر حاصل کرنا ہے۔

انسانی پہلو سے قرآن کی جوتعلیم تحصیل نجات کے متعلق تھی اُس کا ذکر ہوچکا۔ اب الہٰی پہلو سے ہم اس مسئلہ کا ذکرکرتے ہیں ۔ ہم یہ توبیان کرچکے ہیں کہ توبہ، ایمان اورنیک اعمال میں انسان ازروئے قرآن خدا کی مدد کا محتاج ہے ۔ اسی امر کا اب ہم مفصل بیان کرینگے ۔

خدا توبہ اورایمان طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ توبہ کرنے اورایمان لانے میں بھی مدد دیتا ہے۔ خدا کے اُس فضل کی تاثیر کو جس کے ذریعے سے وہ یہ کرسکتا ہے۔ بیدارکرنے والے فضل کا عطیہ کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں یادرکھنا چاہیے کہ خدا کے فضل کی مختلف تاثیرات کے درمیان قرآن میں کوئی صاف امتیاز نہیں کیا گیا۔ اس امرمیں قرآن کی تعلیم کوواضح کرنے کے لئے چند آیات کودوبارہ نقل کرنا ہوگا۔ جن کو ہم نے اُس موقعہ پر پیش کیا تھا۔ جہاں انسان کی مرضی اورانسان کے اعمال کے ذریعے خدا کی مرضی اورارادے کی تاثیرات کے درمیان رشتے کا ذکر ہوا۔" یہ باتیں نصیحت کی ہیں توجوچاہے اپنے پروردگار کی طرف سے رستہ اختیار کرلے اوربے مشیت

الہٰی تم لوگ کوئی بات چاہ نہیں سکتے۔ بے شک اللہ جاننے والا اورحکمت والا ہے(سورہ الانسان ۷۶: ۲۹ سے ۳۱)۔ " یہ قرآن تودنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہی ہے مگر اُسی کومفید ہے جوتم میں سے سیدھے رستے پر چلنا چاہیے اورتم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے جوتمام جہان کا پروردگارہے"(سورہ تکویر۸۱: ۲۷ سے ۲۹)۔

خدا نے نہ محض اپنی رحمت اورفضل سے انسان کو ہدایت عطا کی جس کے وسیلے سے وہ جان لے کہ خدا کوکیسے خوشنود اورنجات حاصل کرے بلکہ خدا کے اُس فضل کا یہ ایک نتیجہ ہے کہ انسان خدا کی رحمت کی دعوت قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ اس عمل میں خدا کا فضل جواگرچہ واحد اورغیر منقسم ہے ،بیداری کا فضل کہلاسکتا ہے ۔خدا کے فضل اوررحمت ہی سے بعض اپنے خطرے کوپہچان لیتے اورتوبہ وایمان کے ساتھ خداوند کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کوئی دوسرا انسان کو موت کی راہ سے ہٹا کر زندگی کی راہ پر نہیں لاسکتا" سیدھا رستہ خدا تک پہنچاتا ہے۔ اوربعض ٹیڑھے اورخدا چاہتا ہے توتم سب کوسیدھا ہی رستہ دکھادیتا"(سورہ نحل ۱۶: ۹)۔

صداقت کا آدمی کے سامنے پیش کرنا اوروعظ کی اپنے ہم جنسوں سے زیادہ اوراُن کو نصیحت کچھ اثر نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ خداکا فضل آدمی کے دل کو اس دعوت کے قبول کرنے کے لئے مائل اورتیارنہ کرے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ ہدایت کسی کے سامنے پیش کی جائے اورآدمیوں کواس کا علم بھی ہوجائے پھر بھی یہ موثر نہ ہو" خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے " اسی طریق پر اورنہ کسی دوسرے طریق پر اس کی تشریح ہوسکتی ہے کہ جب خدا کوقبول کرلیتے ہیں اور بعض اُس کو رد کردیتے ہیں" جولوگ ایمان لائے ہیں کچھ شک نہیں کہ خدا اُنکو سیدھا رستہ دکھاتا رہتا ہے"(سورہ النور۲۴: ۳۵)۔

ان اوردیگر اسی قسم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے جس کا ذکر قرآن میں نہیں کہ خدا کا فضل جوسب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ سب میں موثر

نہیں ہوتا۔ پس جن میں خدا کا فضل موثر ہوا وہ اُسی فضل کے وسیلے سے بیدارہوگئے ۔ لیکن ہم پھر یہ جتادینا چاہتے ہیں کہ ان بیداری کوہم نئی پیدائش نہیں کہہ سکتے اعلیٰ نعتموں کے لئے انسان کی قابلیت اورآرزوبیدار ہوگئی۔ یہ قابلیت اورآرزو انسان کی سرشت میں پوشیدہ ہیں اوراُن کو بیدارکرنے کی ضرورت ہے" خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہےاوراُس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کردکھایا ہے اورکفراور خودسر ی اورنافرمانی سے تم کو نفرت دلادی ہے"(سورہ الجرات۴۹: ۷، ۸۔ دیکھو سورہ ٦٢: ۴)۔ ان آیتوں کا مقصد یہ ہے کہ خدا ہی ایمانداروں کے دلوں کو راہِ راست کی طرف مائل کرتا اوربدی کی طرف سے متنفرکرتا ہے جن لوگوں کو اس کا تجربہ حاصل ہوگیا اُن کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ اُن کو یہ علم حاصل ہے ، وہ دعا مانگا کرتے ہیں کہ خدا" اُن کو سیدھا رستہ دکھاتا رہے گا جن پر تونے فضل کیا" سورہ فاتحہ ۱: ۵، ٦)۔

پس اس سے معلوم ہوگیاکہ کسی نہ کسی طریقے سے جس کا صاف طورسے کوئی ذکرنہیں اورکسی نہ کسی عمل سے جس کا کچھ بیان نہیں ہوا خدا کا فضل انسان کے دل اورضمیر پر ایسا اثر کرتا ہے کہ وہ توبہ کرنے اورایمان لانے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

جب آدمی فی الحقیقت توبہ کرتا ہے توخدا اُس کو معاف کرتا اور مغفرت بخشتا ہے۔ آدمی کی مغفرت خدا کے مفت فضل کا عطیہ ہے۔ یہ آدمی کوکسی ثواب کے وسیلے حاصل نہیں ہوا۔ یہ محض خدا کی رحمت سے ہوا۔ توبہ اور اصطلاح کی شرط پر خدا یہ مغفرت عطا کرتا ہے، لیکن وہ ایسے اسباب نہیں جوخدا کوایسا عطیہ دینے پر مائل کریں۔

توبہ اورایمان، اصلاح اورتبدیلی سراسر اُسی کی طرف سے ہیں۔ اور خدا کا انسان پر فضل کرنے کا نتیجہ ہیں۔ اوریہ فضل انسان کو اس لئے عطا ہوتا ہے تاکہ خدا اُس کو معاف کرسکے اورمقبول بناسکے۔ خدا کی طرف سے یہ مغفرت اگرچہ انسان کے کسی ثواب یا فضل کا نتیجہ نہیں توبھی بلا شرط یہ انسان کو نہ ملتی اورنہ حاصل ہوتی ہے۔ اُس کے لئے ضرور ہے کہ وہ پہلے اس کے قابل ہوجائے۔ توبھی اُس نے اس کوکما

کر حاصل نہیں کیا۔ اورنہ یہ مغفرت یوں ہی خدا کی تلون مزاجی کا نتیجہ ہے ۔ یعنی یہ مغفرت کسی کو ان لازمی شرائط کوپورا کئے بغیرحاصل نہیں ہوتی۔ان شرائط کے بغیرکچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔اس لئے یہ مغفرت الہٰی ایسی نابردارانہ رضامندی سے پیدا نہیں ہوتی جواخلاقی شرائط کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو۔ توبھی ازروئے قرآن الہٰی ذات کا جومکاشفہ ملا ہے جہاں تک کہ اُس مکاشفے کے ذریعے سے معلوم ہوا جسے نبیوں اوراُن کی تعلیم کے وسیلے خدا نے اپنی نسبت ظاہر فرمایا۔ اُس میں اس امر کا کوئی تقاضا نہیں کہ کس طرح کی تلافی درکارہے اورانسان سے جوشرط طلب کی گئی اُس میں بھی توبہ، ایمان اوراعمال کے سوال کسی دوسرے کفارے کا تقاضا نہیں۔ یہی تین اُمورپورے طورسے آدمی کے گناہ کا کفارہ کرتے ہیں۔

یہ توسچ ہے کہ بعض آیات میں (جن کی تعداد تھوڑی نہیں) یہ بتایا گیاہے کہ خدا چند شرائط پر انسان کے گناہ کا کفارہ کرے گا لیکن ان آیات میں لفظ کفارے سے کچھ اورمعنی نہیں جو لفظ مغفرت یامعافی میں نہ پائے جاتے ہوں۔ جب قرآن میں یہ ذکر ہوا کہ خدا ایمانداروں کے گناہ کا کفارہ کرے گا تواس کے معنی اس کے سوا اورکچھ نہیں کہ وہ اُن گناہوں کو اُن کے ذمے نہ لگائیگا۔وہ اُن سے درگذر کرتا اورتائب ایمانداروں کے خلاف یادنہیں کرتا جوایمان کے کام کرتے رہتے ہیں۔

پس اگرچہ ایک شرط پر خدا گناہ بخشتا ہے ۔لیکن معافی کی کوئی بنیاد نہیں۔ اورنہ ایسی بنیاد کی ضرورت سمجھی گئی۔ خدا کارحم اورعدل کسی معنی میں نقیض نہیں اوراہلِ قرآن کے نزدیک کفارہ کا مسئلہ محض نادانی ہے۔

پس یہ ظاہر ہے ہواکہ معافی اورمغفرت مطلقاً محض خدا کے فضل سے ہیں۔کسی شرط کا مقررکرنا ہی کہ جس پر عمل کرنے سے خدا معافی عطا کرنا پسند کرتا ہے۔وہ خالص فروتنی یاکسر نفسی کی بات ہے۔خدا نے اپنےلئے رحمت کو مقرر کرلیا، اس لئے خدا گنہگار سے اُس کے گناہ کے مطابق سلوک نہیں کرتا بلکہ اپنی کثرتِ رحمت سے اُس نے اپنے عدل کے تقاضات کومحدود کرنا پسند کرلیاتاکہ مغفرت عطا کرے

جو شرط وشرائط اُس نے ٹھہرائیں اُن کے مطابق توبھی ایسا کرنے سے اُس نے اپنی محبت کومہربانی وبرداشت ورحمت کااظہارکیا۔

خدا کا فضل آدمی کو نہ صرف بیدارکرتااورتوبہ وایمان کی طرف کھینچ لاتا ہے بلکہ ایک قدم آگے بھی جاتا ہے اوراُس کو ہم سمجھالنے والا فضل کہتے ہیں۔ اس کا ذکر صاف قرآن میں آیا ہے۔ خدا کے فضل اوراُس کی لا زوال رحمت ہی کی وجہ سے ایماندار اپنے پہلے نصب العین اورسعی وکوشش پر مستقل رہتا ہے۔ اوراس سفرِ زندگی میں جو الجھانے والی آزمائشیں اُسے پیش آتی ہیں اُن پر غالب آنے کے قابل وہ خدا کے فضل ہی سے ہوجاتا ہے اوراُسی کے فضل سے ایماندار شخص کےفرائض بجالانے میں اُس کو مدد ملتی ہے۔

خدا کے فضل ہی سے خود حضرت محمد صاحب اپنی رسالت میں محفوظ رہے " جوہم نے وحی کے ذریعے سے تیری طرف بھیجا ہے لوگ توتجھ کواُس سے بچانے ہی لگے تھے تاکہ اس کے سوا تم جھوٹ ہماری طرف منسوب کرواورتم ایسی جرارت کرتے تولوگ تجھ کو دوست بنا لیتے اوراگریہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے تجھ کو ثابت رکھا توتم بھی کسی قدرتواُن کی طرف کوضرور جھکنے ہی لگے تھے(سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۵، ۷۶)۔

اسی طرح سے دوسروں کوبھی خدا کا فضل اوراُس کی مہربانی سنبھالتے اورالہٰی مکاشفہ کی رسالت میں قائم وثابت رکھتے ہیں۔ اورشیطان کے پھندوں سے محفوظ کرتےہیں" اگرتم پر اللہ کا فضل اوراُس کی مہربانی نہ ہوتی تومعدودے چند کے سوا تم سب کے سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے(سورہ نسائی ۴: ۸۵)۔

آزمائش اورمشکل کے وقت ایمانداروں کویہ تاکید ہے کہ خدا کی طرف دھیان کریں اوراُس سے دعا مانگیں کہ وہ اُن کو مضبوط اور ثابت قدم رکھے" اگرشیطان کے گدگدانے سے گدگدی تمہارے دل میں پیدا ہوتوخدا سے پناہ مانگ لیا کرو"(سورہ اعراف ۷: ۲۰۰)۔

لکھا ہے کہ لوط نے مددِالہٰی کی ضرورت کو محسوس کیا اوراُس نے دعا کی کہ وہ اوراُس کا خاندان بدعا دتوں اوراہل سدوم کی بد عادتوں اوربددستوروں میں مبتلا نہ ہوں" اے پروردگار مجھ کو اورمیرے گھر والوں کو ان ناپاک کاموں کے وبال سے جویہ لوگ کررہے ہیں نجات دے(سورہ الشعرا ۲۶: ۱۶۹)۔

شروع سے آخرتک قرآن کی عام تعلیم یہ ہے کہ خدا کی مدد کے بغیراُس کوکسی طرح خوش نہیں کرسکتے۔

ہم نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ ازروئے قرآن انسان وقتاً فوقتاً گناہ کامرتکب ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن آدمی کا اس فضل سے علیحدٰہ ہوکر گرپڑا اسی وجہ سے نہیں کہ خدا کا فضل اُس کوسنبھال نہ سکتا تھا بلکہ اس لئے کہ اپنی انسانیت کی کمزوری کی وجہ سے وہ فضل الہٰی پر ہمیشہ تک نہ کرتا تھا۔ خدا کا فضل توبالکل کافی وافی ہے۔ لیکن آدمی کا ایمان اوراستقلال نہیں اورنہ ہوسکتا ہے۔ توبھی انسان کے گرنے کے بعد بھی وہ بحال ہوسکتا ہے۔

اس لئے خدا کے فضل کوہم بحال کنندہ وفضل کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا کے فضل اوررحمت ہی سے ایماندار گرنے کے بعدپھر صراطِ مستقیم پرآسکتا ہے۔ " اگر اُس کے (یونس کے پروردگارکا فضل اُس کی دستگیری نہ کرتا توبُرے حالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے گئے ہوتے۔ لیکن اُن کے پروردگار نے اُن کو نوازہ اوراُن کو اپنے بندوں میں پھر شامل کیا"(سورہ القلم ۱۸: ۴۹)۔

مگرخدا کا یہ فضل آدمی کی مرضی کومجبورنہیں کرتا اوروہ بدکرداری کے ارتکاب کا عزم کرے تواُس کی مرضی کے خلاف اُس کو راہِ راست پر بحال نہیں کرتا۔ قرآن میں خدا کے فضل سے ایسے گرنے کا بھی ذکر ہے۔ کہ جوقابلِ بحالگی نہیں۔ جوایماندارخدا سے علیحدٰہ ہوکر گرپڑا وہ شائد خدا کے فضل کے خلاف ایسی جدوجہد کرنے لگ جائے جس سے وہ گناہ میں سخت ہوکرتوبہ وایمان کی راہ پانے کے ناقابل ہوجائے۔ اورجب کوئی دانستہ خدا کے فضل اوررحمت کے خلاف گناہ کرتا ہے تووہ ایسا گرتا ہے کہ اُس کی بحالگی کی اُمید جاتی رہتی

ہے۔اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر اسلام سے پھرگئے یہاں تک کہ اُن کےدلوں پر مہر کردی گئی تواب یہ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں" (سورہ المنافقون ۶۳: ۳)۔

یہاں تک توہم نے یہ ذکر کیا کہ خدا کا یہ فضل بیدارکرنے والا، سنبھالنے والا اوربحال کرنے والا فضل ہے۔ اوراب ہم ایک دوسرے پہلو سے اس کاذکرکریں گے ۔ انسان پرخدا کے فضل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُس کوپاکیزہ بنائے اوربحال کرے۔

ایماندارکوتوبہ کرنے اورایمان لانے کے بعد ایک منزل طے کرنی پڑتی ہے۔ اُس کی نجات ایک ایسے قلعہ میں داخل ہوجانا نہیں کہ جس میں خدا کےفضل سے وہ محفوظ ہوجائے بلکہ ایسی منزل پر قدم رکھنا ہے جسے اُس کو ہر روزنیک سے نیک ترکی طرف سے کرتے جانا ہے۔ اس منزل میں اُسے روزِافزوں نوراورہدایت درکار ہے اورخدا کے فضل نے یہ برکتیں مہیاکردی ہیں" جولوگ راہِ راست پر ہیں۔ اللہ اُن کو روزبروززیادہ ہدایت دیتا چلا جاتا ہے (سورہ مریم ۱۹: ۷۸)۔

پس خدا کے فضل کوہم پاکیزہ کرنے والا فضل بھی کہہ سکتے ہیں۔جس قدر ایماندار اطاعت کرتا جائے گا اُسی قدریہ ہدایت زیادہ سے زیادہ اُسے حاصل ہوتی جائے گی۔ خدا کا فضل کوئی ایسی شے نہیں جو ایماندارکو اُس کی توبہ کے وقت عطا ہوتی ہے، نہ کوئی ایسے شے جواسے سنبھالتی اورثابت قدم رکھتی ہو۔ یہ توایسی شئے ہے جواُسے آگے کی طرف بڑھاتی جاتی اوراُس کی رفتارکو ایمان اوراطاعت میں ترقی دیتی جاتی ہے ۔ خدا کے فضل اورالہام ہی سے ایماندار لوگ نیک اعمال میں اوراپنے دینی فرائض کی ادائیگی میں ترقی کرتے جاتے ہیں"۔اوراُن کو اضحاق (یعقوب) لوگوں کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے اُن کو ہدایت کرتے تھے اوراُن کو نیک کام کرنے اورنمازپڑھنے اورزکوات دینے کی وحی بھیجی اورسب ہماری عبادت میں لگے رہتے تھے (سورہ الانبیا ۲۱: ۷۳)۔

اس ترقی میں ایمانداروں کے دل اورمیلان پاک وصاف ہوتے جاتے ہیں۔ اورجہاں وہ پہلے بداعمال کی طرف مائل اوراُن کے مرتکب ہوئے تھے، اب اُن کا میلان طبع نیک اعمال

کی طرف ہوگا اورخدا کے فضل سے اب وہ اُن اعمال کرنے پر قادربھی ہوں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر جس نے توبہ کی اورایمان لیا اورنیك عمل کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اوراللہ بخشنے والا مہربان ہے"(سورہ الفرقان ۲۵: ۷۰۔۷۱)۔

ایماندارجس قدرزیادہ خدا کے رستہ پرچلنے کی کوشش کرتا جائیگا اُسی قدرزیادہ فضل اُس کو ملتا جائے گاتاکہ وہ آگے بڑھے۔ چنانچہ مفصلہ ذیل آیت کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ "جن لوگوں نے ہمارے دین میں کوششیں کیں۔ ہم اُن کو ضروراپنے رستے دکھائینگے۔اورکچھ شك نہیں کہ اللہ اُن لوگوں کاساتھی ہے جونیك عمل کرتے ہیں"۔(سورہ عنکبوت ۲۹: ۶۹)۔

خدا کے فضل کی تاثیر کے بارے میں جوکچھ ہم نے ازروئے قرآن بیان کیا پھر بھی باوجود اس کے ایماندار کے ضمیر اوردل کے ساتھ جو خدا کا تعلق ہے اُس کا کچھ صاف ذکرنہیں آیا۔ ایسے صاف ذکرکا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں روح القدس آدمی کے دل میں کیسے اثرکرتا ہے۔ توبہ ایمان اورنیك اعمال آدمی کی اپنی کوشش بلاتوفیق ایزدی کا نتیجہ نہیں،لیکن کسی نہ کسی طرح انسان کے دل میں خدا کے فضل کی تاثیر پر موقوف ہیں۔ لیکن خدا کے بارے میں جوکچھ قرآن میں بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم دیکھیں گے اُس میں ایسے تصور کی کوئی گنجائش نہیں جوروح القدس کے متعلق مسیحی تعلیم میں پایا جاتاہے۔ قرآن میں کوئی ایسا جملہ نہیں جس کے ذریعے سے واضح ہوکہ خدا کے فضل کی یہ تاثریں کیسے ہوا کرتی ہیں۔

ان تاثیروں کوتوقرآن نے تسلیم کرلیا اوراُن کے نتیجے کوبھی مان لیا لیکن جس سے وہ عمل میں آئیں وہ نامعلوم ہے ازروئے اسلام وہ خدا کے محض افعال نہ تھے جن کو کسی طرح اُس کی قوتِ خالقہ کے افعال سے ممیزکرسکتے جن کے ذریعہ سے کہ خدا نے جہان اورمافیہا کو خلق کیا کیونکہ اگرچہ رسول اکرم نے صفائی سے یہ سمجھ لیاکہ وہ خدا کی مرضی کے اثر سے عمل میں آئے توبھی برعکس اس کے اُن کو یہ تسلیم

کرنا پڑاکہ وہ آدمیوں کے افعال سے مشروط تھے۔ اس امر میں حضرت محمد بہت کچھ عہدعتیق کی تعلیم کے مطابق تھے۔ لیکن خدا کی روح کی تاثیر کے بارے میں عہدِ عتیق کے تصورتک نہ پہنچے۔

عہدِ عتیق میں" روح اللہ" وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے وہ آدمیوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس روح کی تاثیر سے آدمیوں کو حکمتِ فن،فہم اورالہٰی صداقت کی پہچان حاصل ہوتی ہے اوراس کی تاثیر کے ذریعے آدمیوں کےدل پاک ہوتے ہیں۔یہ توسچ ہے کہ سارے عہدنامے میں یہ روح مشخص بیا ن نہیں ہوا توبھی اس روح کے وسیلے یہواہ شخصی طورپر عمل کرتا ہے۔

برعکس اس کے قرآن نے خدا سے براہِ راست روح القدس کی ان ساری تاثیروں کو منسوب کیا اگرچہ اُ سمیں یہ تشریح پائی نہیں جاتی کہ یہ کیسے ہوتا ہے ۔ بعض اوقات تاریکی میں سے نور کی شعائیں چمکتی نظر آتی ہیں۔ لیکن حق کے متلاشی کی راہ روشن کرنے کے لئے یہ شعائیں کافی نہیں۔

چنانچہ یہ عجیب جملہ آیا ہے"جس نے مومنین کے دلوں میں تحمل (السکینتہ) ڈالا تاکہ اُن کے ایمان کے ساتھ اورایمان زیادہ ہو"(سورہ الفتح ۴۸: ۴) اورپھر یہ " اللہ نے اپنے رسول پر اورمومنوں پراپنی طرف سے تسلی رملینہ نازل فرمائی اورایسے لشکر بھیجے جوتم کو دکھائی نہیں دیتے تھے"(سورہ التوبہ ۹: ۲۶،۴۰)۔

سورہ التوبہ ۹: ۲۶ کی تفسیر سیل صاحب نے یہ کی" اصلی" لفظ سکینتہ جس کا ترجمہ مترجموں نے تسلی کیا۔ لیکن اُس سے خدا کی حضوری مراد معلوم ہوتی ہے۔ جومسلمانوں پر سکینتہ کے طورپر معلوم ہوا"(کشف القرآن)۔

اس موقعہ پر گائی کر صاحب کی کتاب (Judaism Islam p.36-40) سے اقتباس کرنا کافی ہوگا" سکینہ خدا کی حضوری ،یہودیت کے نشوونما میں امر سے بچنے کے لئے کہ خدا کا تصورکیں محض انسانی نہ ہوجائے، خدا کے کلام کرنے کا ذکر جہاں کہیں کتاب مقدس میں یا ہے وہ مشخص کلمہ خدا سے

منسوب کرتے تھے۔ گووہ خدا سے ایک طرح کا صدور تھا جومسیحی دین میں تجسم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ویسے ہی جب کتاب مقدس میں خدا کے بیٹھن یا آرام کرنے کا ذکر آیا تواُس سے یہ مُراد لی کہ خدا سے کچھ قابل احساس شئے صادر ہوئی ۔ چنانچہ ہیکل میں خدا کے بسنے پر یہ خاص طور سے صادق لائےاور الوہیت کا یہ صدور گناسنگ لوگوں کے محاورے کے مطابق سکینہ کہلایا۔ یعنی ٹکنے والا ، اس ماخذ سے (سکینہ) سے الہٰی قدرت کا ملہ کا وہ پہلو مراد لیا گیا جو گویا آدمیوں کے درمیان بستا اوراُن میں نامعلوم اثر کرتا ہے۔ اصلی لفظ بمعنی ہیکل میں خدا کی حضوری کروبیم کے درمیان عہد کے صندوق (سورہ ۲: ۲۴۰) میں پائے جاتے ہیں عملی مداخلت اورمرئی موثر مدد کے لئے یہ لفظ سورہ ۹: ۲۶۔ ۴۰ میں آیا ہے۔ اطمینان خاطر کے معنی میں اورروحانی مددینے کے لئے یہ لفظ سورہ ۴۸: ۴، ۱۸، ۲۶ میں ملتا ہے۔ یہ قابل لحاظ ہے کہ یہ لفظ صرف تین صورتوں ہی میں آیا ہے (گوپچھلی دوصورتوں میں کئی دفعہ) اورہرسورہ میں کچھ مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم نے لفظ ورس کے متعلق ذکرکیا تھا۔ ویسا ہی یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی بیرونی تاثر عمل کررہی ہے یعنی یہ گمان سورتوں کی تصنیف کے وقت جودیگر لوگ اس لفظ کو استعمال کرتے تھے۔ اُس کا اثر حضرت محمد صاحب پر ہوا۔

مگرقرآن میں لفظ سکینہ کے استعمال کا سوال اُس وقت آئے گا جب ہم خدا کے بارے میں قرآن کی تعلیم کا ذکر کریں گے ۔ اس لئے اس بحث کو ہم یہاں چھوڑدیتے ہیں۔

بحثیت مجموی روح کے بارے میں قران کی تعلیم کا ذکرکرتے وقت یہ محسوس کئے بغیرنہیں رہ سکتے کہ خدا کے روح کی نسبت حضرت محمد صاحب کا تصوربہت صاف اور واضح نہ تھا۔ اس لئے یہ معلوم کرکے ہم کو تعجب نہیں ہوتا کہ فضل کے وسائل کے متعلق اُن کی تعلیم ایسی موہوم سی تھی۔

اس امر کی نسبت قرآن کی تعلیم کا مختصر بیان کرکے نجات کے متعلق قرآن کی تعلیم کی فصل ہم بند کریں گے۔

یہ محاورہ " فضل کے وسیلے" مسیحی اصطلاح سے لیا گیا ہے اوریہ قیاس گذرتا ہے کہ ان لفظوں کے معنی ٹھیک وہی نہ ہوں گے ہماری مراد یہاں اُن طریقوں اوروسیلوں سے ہے جن کے ذریعے ایماندار کو خدا کی حضوری کا عملی تجربہ حاصل ہوتا ہے اورخدا کا یہ فضل نجات کے حاصل کرنے کے لئے جب مدد کے طورپر اُس کو پیش کیا جاتا ہے تووہ اُس سے مستفیض ہوتا ہے۔

ازروئے قرآن ایماندار کے لئے پانچ بڑے فرائض مقرر ہیں(۱) تشبیہ یعنی یہ کلمہ پڑھنا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (۲) نماز، یعنی پانچ وقت کی نماز(۳) روزہ یعنی رمضان کے روزے (۴) زکوات خاص چند شرعی رسوم (۵)حج۔

یہ پانچ فرائض جن پر چھٹا تلاوت قرآن کو ایزاد کرسکتے ہیں۔ ازروئے قرآن مسلمانوں کے نزدیک فضل کے وسائل قرار دیئے جاتے ہیں۔

اگرایک لمحہ کے لئے قرآن کے مطالعے کوچھوڑ کر ہم اسلام کی موجودہ صورت پر نظر ڈالیں توہم معلوم کریں گے کہ اگرچہ مسلمانوں کوان پانچ فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے اوران پر عمل کیا جاتا ہے توبھی سارے اسلامی ممالک میں ان کے سوا بھی چند ایک فضل کے وسیلے مانے جاتے ہیں۔ مثلاًفقیروں کے مختلف فرقوں اورخاندانوں کے ذکر اذکاراور وظیفے وغیرہ۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ خدا اپنا فضل نوع انسان کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ انسان اوراُس کے خالق کے مابین کسی قسم کا راہ ورابطہ ممکن ہے۔ خدا انسان کے ضمیر اوردل سے کلام کرکے اُس پر تاثیر کرسکتا تھا اوربرعکس اس کے انسان اپنے اندرخدا کی روح کی تاثیر کا تجربہ کرسکتا تھا اوریوں اُسے خدا کی حضوری کا احساس اوراُس کے ساتھ شراکت رکھنے کا تجربہ ہوسکتا تھا۔ توبھی قرآن نے کسی جگہ واضح کرکے یہ نہیں بتایا کہ یہ فضل کہاں اورکیسے مل سکتا ہے اورکیسے اُس سے مستفیض ہوسکتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہیں کہ اُس نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ یہ فضل انسان کوکیسے حاصل ہوسکتا تھا۔ جس

کی نسبت ہرجگہ یہ ظاہر کیا کہ آدمی کی روحانی زندگی کے لئے وہ لازمی تھا۔

یہ توسچ ہے کہ حضرت محمد صاحب نے دھیان اوردعا کی تائیدوتاکید کی اورایسی مدد اورہدایت کا وعدہ کیا جو طالب حق انسان کے دل میں خدا، کے فضل کی تاثیر کا نتیجہ تھا" تمہارا پروردگارفرماتا ہے کہ ہم سے دعائیں مانگتے رہو اورمیں تمہاری دعا قبول کرونگا" (سورہ مومن ۴۰: ۶۲)۔۔۔۔۔ جواُس کی طرف رجوع ہوتاہے اُس کو اپنی طرف پہنچنے کا رستہ دکھاتا ہے۔جولوگ ایمان لائے اُن کے دلوں کو خدا کی یاد سے تسلی ہوتی ہے اورسن رکھو کہ خدا کی تیاد سے تسلی ہوا ہی کرتی ہے " (سورہ رعد۱۳: ۲۸)۔ " یہ کتاب جوتیری طرف وحی کی گئی اس کی تلاوت کرتے اورنماز پڑھتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اورناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے۔ اوریادِ خدا البتہ بڑی چیز ہے" (سورہ عنکبوت ۲۹: ۴۴۔ نیز دیکھو سورہ ۷: ۲۰۳۔ ۳۔ ۳۶۔ ۳۹۔ ۲۴)۔

مذکورہ بالاآیات سے جوکچھ ہمیں حضرت محمد کے دستورکے بارے میں دیگر وسائل سے معلوم ہوا ہے اُس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ فقیروں یادرویشوں کے خاندان کوقرآن کے کسی صریح حکم پر مبنی نہ ہوں۔ اور جوشائد کسی غیر اسلامی تاثیر پر حصر رکھتے ہوں وہ قرآن کی تعلیم اورمنشا کے خلاف نہیں۔

بہت کچھ انہیں دستورات ورسمیات کے وسیلے اہلِ اسلام خدا سے وصل حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اورانہیں کے ذریعے سے خدا کے فضل میں شریک ہوتے اوراپنی روحانی زندگی کی پرورش کرتے ہیں۔

اسلام میں تصوف کا ایسا اعلیٰ درجہ ہے کہ پروفیسر میکڈونلڈصاحب راستی کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے۔"ہم مسیحیوں کے نزدیک باطنی نورجا بجا کبھی ایک صورت میں کبھی دوسری صورت میں کبھی ایک وقت کبھی دوسرے وقت ظاہر ہوتا رہا ہے۔ لیکن عام مسیحی جماعت میں ایمان کی

بنیاد کا یہ اعلیٰ جزو نہیں سمجھا گیا۔ البتہ اسلام میں اِس نے یہ درجہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ اہل اسلام کی زندگی میں تصوف کو مرکزی درجہ ملا ہے توبھی یہ امر واقع ہے کہ ازروئے قرآن یہ اسلام کا لازمی جزو نہیں، بلکہ سنتِ جماعت کے دائرے سے فی الحقیقت خارج ہے۔

درویشوں کے خاندان کا اسلام سے ایسا خفیف تعلق ہے کہ بقول پروفیسر میکڈونلڈ صاحب وہ مسیحیوں کوبھی اپنے خاندان کا ممبر بناسکتے ہیں۔ اوراُن کی رسمیات میں کوئی ایسی بات پائی نہیں جاتی جو مسیحی عقیدے کے خلاف ہو اورجواُسے اُن کا ممبر بننے میں حارج ہو۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے انتہا کہنا کافی ہے کہ یہ خاندان گواب اسلامی جماعت کا ایک جزوبن گئے ہیں" تاہم ان خاندانوں میں مشکل سے کوئی بات ملے گی جس کوہم اسلامی تعلیم کا نمرہ کہہ سکیں۔ بلکہ ایک کمی کو پورا کرنے کے لئے کچھ الحاق کیا گیا کیونکہ سارے سچے مسلم طالبانِ حق نے قرآنی تعلیم وعمل میں یہ کمی محسوس کی۔

پس جوبیان ہم کرآئے اُسی کی طرف ہم پھر واپس آجاتے ہیں کہ اگرچہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو خدا کے فضل کی ضرورت ہے اوروہ اُسے پابھی سکتا ہے توبھی اُس نے کبھی یہ بیان نہیں کیاکہ آدمی کیسے فضل کو اپنی زندگی کا جزوبناسکتا ہے۔ اوراس لئے اگرچہ وہ یہ کہتا ہے کہ ہم سے دُور نہیں اوروہ مل سکتا ہے توبھی وہ اُس کو یہیں چھوڑدیتا ہے کہ اُس کی تلاش کرے شائد کواُس کو حاصل کرے۔